مؤلف

مفتی محمد توصیف قاسمی

ناشر

مجلس دعوت وارشاد لکھنؤ

دفاع اور شہادت
کے اقسام واحکام

اپنی جان، آبرو اور مال کے دفاع وتحفظ کی شرعی حیثیت اور احکام،
جہاد کے علاوہ ان صورتوں کی تنقیح جن میں مرنے والا شہید ہوتا ہے، نیز
شہید کے خصوصی احکام پر مشتمل مدلّل کتاب

مؤلف
مفتی محمد توصیف قاسمی

ناشر
مجلس دعوت وارشاد لکھنؤ

tauseefhaqqi@gmail.com

نام کتاب	:	دفاع اور شہادت کے اقسام واحکام
مؤلف	:	مفتی محمد توصیف قاسمی
تعداد	:	۱۱۰۰
صفحات	:	۱۵۲
سن اشاعت	:	اشاعت اوّل ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء
کمپوزنگ	:	9236650139
طباعت	:	احسان بکڈ پو لکھنؤ

ملنے کے پتے

مجلس دعوت وارشاد، ۱۱/۴۲۳ نوبستہ لکھنؤ، موبائل:9236650139

dawatoirshad@gmail.com,tauseefhaqqi@gmail.com

مکتبہ احسان، ڈالی گنج لکھنؤ

دارالکتاب، دیوبند

زم زم بک ڈپو، دیوبند

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

فہرست مضامین　　صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

انتساب

شہادت منتہائے مظلومیت کا نام ہے اور سب کو معلوم ہے کہ صنف نازک ذرا کمزور واقع ہوئی ہے، جس پر ظلم بمقابل مرد بآسانی ہوسکتا ہے، شاید اسی لئے ایک عفت ماب کے ذریعہ ''والشُهَدَاء'' کی فہرست کا اجراء کیا گیا، تاہم مردوں کے لئے مقام رشک ہے، اور عورتوں کے لئے فخر کا جواز کے کہ پہل ایک عورت ہی کے واسطہ ہوئی، جن کا نام نامی **حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا** ہے۔

دوسرا پہلو شہادت کا یہ ہے کہ شہادت راہِ محبوب میں اس قربانی کا نام ہے جو محبت کی تکمیل وصداقت کا انسانی معجزہ ہے، چنانچہ اس فہرست کے رئیس جن کی شہادت پر شہادت کو بھی فخر ہے، حضور نبوّت کے شریک رضاعت، بطل اسلام، درگاہ رسالت سے ملقب بسید الشہداء **حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ**۔

ان دونوں حضرات کے نام خصوصاً اور دیگر تمام شہداء فی اللہ کے نام عموماً اس پہلی کاوش کو منسوب کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔

تقریظ

حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم

صدر مفتی دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین، وعلی من تبعھم باحسان الی یوم الدین،

امابعد:

شہادت: اسلام میں موت کا سب سے اعلی درجہ ہے، قرآن میں شہیدوں کو اورلوگوں کی طرح مردہ سمجھنے سے ممانعت آئی ہے، انہیں زندہ فرمایا گیا ہے، ان کی برزخی حیات اوروں سے قوی اور امتیازی ہوتی ہے، حتی کہ ان کا گوشت و پوست ہمیشہ کے لئے محفوظ رہتا ہے، یعنی زندوں کی طرح ان کی لاش محفوظ رہتی ہے، جومؤمن اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے میدانِ جہاد میں نکل کر اپنی جان اللہ کے لئے قربان کردیتا ہے، قرآن وحدیث میں اس کے بے شمار فضائل آئے ہیں، اُنہیں بڑے بڑے انعامات سے نوازا گیا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہونے والوں کے علاوہ کثیر تعداد میں ایسے خوش نصیب مومن ہیں جن کو احادیث میں شہید فرمایا گیا ہے، ان نفوسِ قدسیہ کو شہیدِ آخرت

کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، مؤلفِ کتاب نے احادیث کی بیشتر کتابوں کی ورق گردانی کر کے ایسے شہداء کی تعداد ۲۷ رتک پہونچائی ہے، جو ان کے درجۂ ایمان کے کامل ہونے کی دلیل، اور ان کے لئے شہادت کے انتخاب پر، اللہ کے یہاں محبوبیت کی علامت ہے۔

عزیز محترم مولانا مفتی محمد توصیف صاحب قاسمی لکھنوی کو اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے، کہ انہوں نے قرآن وحدیث اور کتب فقہ کی روشنی میں شہادت کے اقسام، شہداء کے فضائل، ان کے درجات، ان کے احکام ومسائل، بڑی محنت وعرق ریزی کے ساتھ اس کتاب میں ذکر کئے ہیں، انہوں نے جس بسط وتفصیل کے ساتھ اس موضوع پر لکھا ہے، یہ انہیں کی اوّلین سعادت ہے، اس سے پہلے یکجا طور پر اس ندرت کے ساتھ کوئی کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری، شہادت کے ساتھ ساتھ مؤلفِ کتاب نے مظلومیت ومجبوری کی حالت میں اپنی مدافعت کے طریقۂ کار پر روشنی ڈالی ہے، اور بڑے سلیقہ کے ساتھ اس کے ضروری احکام بھی ذکر کئے ہیں۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالی مفتی صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے، ان کے علم میں، ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، آخرت میں اس کتاب کو ان کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

حبیب الرحمن خیر آبادی عفا اللہ عنہ

مفتی دار العلوم دیوبند

۱۵ر رجب ۱۴۳۵ھ، ۱۵ رمئی ۲۰۱۴ء پنجشنبہ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی عتیق احمد صاحب

بستوی دامت برکاتہم

استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، وصدر معہد الشریعہ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین محمد بن عبد اللہ الامین، وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین،

اما بعد:

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَن سَالَ الشَّهادةَ بِصِدقٍ بَلَّغَهُ اللهُ مَنازِلَ الشهداءِوَاِنْ مَاتَ عَلٰى فِراشِه.(صحیح مسلم)

(جو شخص اللہ تعالی سے سچے دل کے ساتھ شہادت طلب کرے، اللہ تعالی اسے شہداء کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں، اگرچہ وہ اپنے بستر ہی پر مرا ہو۔)

علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

ایک طویل مدت سے امت اسلامیہ ایسے حالات میں گھری ہوئی ہے کہ مجموعی طور سے جہاد وشہادت کی لذت سے نا آشنا ہوتی جارہی ہے، عالمی طور پر مسلمانوں کو جہاد اور شہادت کے فکر و جذبہ سے عاری کرنے کی کوششیں مسلسل جاری ہیں، اب صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ امت مسلمہ جو صدیوں سے دنیا کی غالب ترین قوم تھی، اور جس کی سطوت وشوکت کی دنیامیں دھاگ بیٹھی ہوئی تھی، اپنے دفاع سے بھی عاجز ہو چکی ہے، اور اقوام عالم کے کئے لقمہ تر بن چکی ہے، ذلت ونکبت کے بدترین حالات سے دو چار ہے۔

اس امت کی شیرازہ بندی، اس میں وحدت واجتماعیت کا شعور پیدا کرنا ازحد ضروری ہے، ایثاروقربانی، جہاد وشہادت نیز دفاع کی ضرورت واہمیت کا احساس پیدا کرنا ناگریز ہے۔

شہادت کی بہت سی شکلیں ایسی ہیں جن میں کفار سے باقاعدہ جہاد وقتال کی صورت پیش نہیں آتی، لیکن بہت سے اہل علم بھی ان کے شہادت ہونے سے ناواقف ہیں، اس لئے ضرورت تھی کہ شہادت و دفاع کے اقسام واحکام پر تحقیق وتفصیل سے کوئی کتاب لکھی جائے۔

مجھے بے انتہاء خوشی ہے کہ معہد الشریعہ لکھنو کے استاذ مولانا مفتی محمد توصیف قاسمی

صاحب نے اس موضوع پر اچھی کتاب تیار کردی، اور سلیقہ مندی کے ساتھ اس موضوع کی تفصیلات وجزئیات کا احاطہ کرنے کی کامیاب کوشش کی، اور ہر مسئلہ مستند کتب فقہیہ کے حوالہ سے لکھنے کا اہتمام کیا، جستہ جستہ میں نے اس کتاب پر نظر ڈالی، مصنف دورانِ تصنیف مجھ سے مشورے بھی کرتے رہے، نئے مسائل میں ان کی کسی رائے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، لیکن ان کی تحقیق وکاوش کی ستائش نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔

یہ نوجوان مصنف کی پہلی تصنیفی کاوش ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالی اسے قبولیت سے نوازیں، اور مصنف کا رہوارِ قلم علم وتحقیق کی وادیوں میں رواں دواں رہے۔ آمین

عتیق احمد قاسمی بستوی

استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو

صدر معہد الشریعہ لکھنو

۱۱/۵/۲۰۱۴ء

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم

استاذ حدیث ومفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ وتعالی
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم،

امابعد:

''دفاع اور شہادت کے اقسام واحکام'' سے متعلق فاضل گرامی جناب مولانا مفتی محمد توصیف قاسمی زید علمہٗ کا رسالہ نظر سے گذرا، موصوف نے اِس موضوع پر بہت مفید اور گراں قدر علمی وفقہی مواد جمع کردیا ہے، جو علماء کرام، بالخصوص طلبۂ افتاء اور مفتیانِ عظام کے لئے ان شاء اللہ بہت کارآمد ثابت ہوگا۔

احقر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالی موصوف کی محنت اور کاوش کو شرف قبولیت سے نوازیں، اور آئندہ بھی اس طرح کی مزید خدمات انجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

فقط واللہ ولی التوفیق

احقر محمد سلمان منصور پوری

خادم مدرسہ شاہی مراد آباد

۱۸/۶/۱۴۳۵ء

پیش گفتار

الحمدللہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین، امابعد:

☆ ہندوستان میں جو فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں ان کے عنوان سے ہر اپنا پرایا واقف ہے، ان میں مقتولین کے لئے شہید کے احکام ہوتے ہیں، پھر سوال یہ تھا کہ ان کے ساتھ شہید کا سا معاملہ کفن دفن میں کیا جاتا ہے یا نہیں؟ کہ ستمبر ۲۰۱۳ء میں مظفر نگر کا جانکاہ حادثہ مسلمانوں پر پھر آن پڑا۔

☆ اس سلسلہ میں استفسارات کئے لیکن کسی سے بات حل نہ ہوئی حتی کہ بعض علماء نے بلا جہاد شہادت کا تصور ہی باطل قرار دیا، بعض اردو کتب فتاوی کی مراجعت سے ایسا محسوس ہوا کہ یا تو اس مسئلہ کو سمجھایا نہیں گیا، یا پھر خود ہی نہیں سمجھا گیا، ’’کتاب المسائل‘‘ میں مسئلہ کو دیکھا تو مسئلہ سے دل کو اطمینان ہوا۔

☆ استفسار دو امور کی بابت تھا، اوّل یہ کہ ان میں مقتولین شہید حقیقی ہیں، یا نہیں؟ کیوں کہ اردو کتب فِتاوی میں عام طور پر شہید آخرت کہہ کر بات ٹالی گئی ہے، ثانی یہ کہ بالتعیین یہ اقسام شہادت میں سے کون سی قسم ہے، کیونکہ اس کی متعدد اقسام ہیں۔

☆ جذبہ عامل مصنف میں تفصیلاً دو اور تحقیقاً ایک بات رہی، اور وہ یہ کہ اسلام مذہب فطرت ہے؛ اس کے احکام عین فطرت ہیں، اور فطرت ہی حکم شرعی-کسی جانب سے غور کریں ایک ہی بات ہے- انسانی فطرت اور بشری زور اس کا متقاضی ہے کہ وہ اپنی حرمت کو قائم رکھے، تو شریعت نے اس تقاضا کو اہمیت دینے کے لئے صرف اجازت

پر اکتفاء نہ کر کے، اسے ایک لازمی فریضہ بنا دیا،لیکن اس کی آڑ میں دوسروں کی حرمت ضائع نہ ہوں، اس لئے اس تقاضۂ مدافعت کی تحدید بھی ضروری تھی۔

☆ ظلم سے شارع وشریعت بیزار ہے، تاہم ظالم ظلم سے باز آجائے تو مظلوم کو راحت ہو سکتی ہے، مگر اس کا وقت محدود ہے،لیکن اگر کوئی ظلم کی راہ میں اتنا دور نکل جائے کہ وہ مظلوم کو کوئی ادنیٰ موقع دینے کو تیار نہیں، حتی کہ مظلوم کی نفس واپسیں بھی اسی مظلومیت پر ہو، یعنی مظلوم سے ظلم سے بچنے کا آخری موقع تک چھین لیا گیا، اسی کا نام شہادت ہے، اور اللہ بزرگ و برتر نے اب اسکا انتظام راحت وعیش اپنے ذمہ لے لیا۔

☆ دونوں باتوں میں غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ہی باتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں ''حق را بحق دار دادن''، اب مجبور فطرت اپنا حق دفاع پالیتی ہے اور غریب مظلوم کو انعامات شہادت ملتے ہیں۔

☆ پھر مراجعت سے محسوس ہوا کہ یہی ایک موقع نہیں، بلکہ اور صورتیں بھی ہیں کہ جن میں مرنے والا شہید ہوتا، اور بعد مرنے اس پر شہید کے احکام جاری ہونے چاہئے،لیکن عام طور سے ایک غلط فہمی ذہنوں میں راسخ ہے کہ جہاد کے سوا شہادت نہیں، اس لئے اسے اس کا حق نہیں دیا جاتا۔

☆ یہ عذر کہ'' شہادت میں شرائط بہت سارے ہیں جن کا ثبوت ایک عمل مِدید ہے'' مسئلہ کے صحیح بیان سے فرار ہے، کیوں کہ جو شرائط شہید کے بیان کئے گئے ہیں، وہ صرف دیگر شہداء کے لئے ہی نہیں، بلکہ خود جہاد وقتال کے شریک میں بھی پائے جانے ضروری ہیں، اگر ان میں سے ایک بھی شرط مفقود ہوئی، تو جہاد میں قتل کے باوصف شہید کے احکام مقتول کے لئے نہیں۔

☆ جس طرح سے جہاد کے ہر مقتول کو شہید کے احکامی زمرے میں نہیں لایا جاسکتا، اسی طرح جہاد کے سوا صورتوں میں-شرائط کے وجود سے صرفِ نظر کر کے

-انہیں شہادت کے احکام سے علیحدہ کرنا، حق دار کی حق تلفی ہے۔

☆بارہ صورتیں درج کی گئیں ہیں جن میں مرنے والا شہید کہلاتا ہے، باستثنائے جہاد اور ایک دو مزید صورتوں کے، بقیہ صورتیں ہمارے علاقوں میں پائی جارہی ہیں۔

☆مرکزی موضوع کتاب کا شہادت کا بیان اور شہید کے اقسام ہے، استطراداً دفاع کے مسائل کا ذکر آگیا ہے، جو موضوع کے علاوہ حالات کے لئے بھی ناگزیر ہے۔

تشکر

کتاب کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے میں شکر گذار ہوں حضرت مولانا مفتی عتیق احمد صاحب مدظلہ صدر معہد الشریعہ لکھنؤ، و استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا، سب سے پہلے اس کام کا تذکرہ انہیں سے کیا تھا، اور ڈر اس بات کا تھا کہ نہ جانے یہ موضوع تنقیح و بیان کا محل ہے بھی یا نہیں، چنانچہ آپ نے اس کی اہمیت بھی جتائی، اور ہمت مزید دلائی کہ یہ کام بالکل باموقع ہے اور توجہ طلب بھی، اور پھر معہد میں مجھ سے متعلق بعض علمی امور کو موخر کرنے کی اجازت بھی دی، اور بار بار تقاضائے تکمیل باعث تقویت مزید بر آں ہوا، نیز استاد محترم مفتی عبید الرحمن صاحب مدظلہ استاذ حدیث و مفتی مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی کا بھی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے بھی حوصلہ دیا، اور ان سے مستقل مراجعت بھی رہی، اور ان کے علاوہ جن علماء کرام و دوستوں کا تعاون اور حوصلہ افزائی رہی، ان کے لئے بھی جزائے خیر کی دعا ہے۔

کتاب کی تکمیل میں نعمت مستزاد یہ تھی کہ بندہ کو ''کی بورڈ'' پر حروف شناسی ہو چکی تھی، اس لئے بخود لکھنے سے سپید و سیاہ کا اجتماعِ ضدین ہوگیا، کہ وہی مسودہ تھا وہی مبیضہ، تزئین کا مرحلہ برادر عزیز حافظ محمد شاداب زیدت حسناتہ کے سپرد کیا، اللہ تعالی ان

کی سعی کو قبول فرمائے، اور ان احباب کی بھی جنہوں نے طباعت میں تعاون کیا۔

استدعاء

خطاونسیان سے مبرا کلام باری ہے یا نبی معصوم کی حدیث، چنانچہ اگر کسی طرح کی کوئی قابل اصلاح بات محسوس ہوتو مطلع فرمائیں، درخواست کر دینے کے بعد اطلاع سے دریغ کرنا قابل شکایت بات ہوگی۔

ان بزرگوں کی لاج میں جنہوں نے اس کتاب پر کچھ لکھا یا اس میں حوصلہ افزائی کی، اللہ تعالی سے مانگتا ہوں کہ راقم نادم کی یہ کاوش قبول فرمائیں، اسے میرے لئے، میرے والدین، اور ان کے والدین کے لئے، نیز میرے اساتذہ ومشائخ کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں، اور عوام وخواص کے واسطے ذریعہ استفادہ بنادیں۔

اور قارئین سے درخواست ہے کہ راقم کے لئے دعا کر دیں کہ اس کے مقاصدِ حسنہ کی تکمیل ہو، اور یہ کہ اس کے جملہ مقاصد، حسنہ ہوں اور نیز خاتمہ بالخیر ہو۔ آمین

محمد توصیف انصاری عفا اللہ عنہ

ابن جناب محمد توقیر صاحب

خادم معہد الشریعۃ لکھنؤ

۳۴۲/۱۱، حسین منزل (کوٹھی دین دیال)

نوبستہ، لکھنؤ ۳

۲۱ر رجب المرجب ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۱ رمئی ۲۰۱۴ء

tauseefhaqqi@gmail.com

ملاحظات

الف: کتاب ایک مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے، اور ابواب متعدد فصلوں پر قائم ہیں۔

ب: شرائط کی تقسیم تین ابواب - ثانی، ثالث، ورابع - میں اس طرح کی گئی ہے کہ اگلے ابواب کے شرائط پچھلے باب کی صورتوں میں ملحوظ نہیں، اور پچھلے ابواب کے شرائط مجموعی طور پر اگلے باب میں ملحوظ ہیں، مثلاً باب ثانی میں جو شرائط مذکور ہیں، وہ اس باب کی صور شہادت کے لئے بھی ہیں، اور ثالث ورابع کی صور شہادت کے لئے بھی ہیں، اور باب ثالث ورابع کے شرائط باب ثانی میں مذکور صور شہادت کے لئے نہیں، اسی طرح باب ثالث ورابع کی تفصیل ہے۔

ج: شرائط کی تحقیق اہل علم سے ضرور کرالیں، اور جہاں علماء سے سر دست رابطہ یا تحقیق دشوار ہو، تو چند متدین حضرات سے شرائط پر خوب اطمینان کرالیں۔

د: شرائط شہادت کا ثبوت متعلقین اور واقعہ کے شاہدین پر منحصر ہے، اگر کسی شرط کے ثبوت میں اطمینان نہ ہو، تو مقتول کو عام مردوں کے مثل غسل وکفن دیا جائے، یہی احتیاط ہے۔ (حوالہ کتاب میں درج ہے)

ہ: کتاب میں جو صورتیں قتل کی مذکور ہیں وہ واردات واقعیہ ہیں، کہیں اس کی تشریح سے - علاوہ دفاع کے وہ بھی بدرجہ آخر - ترغیب نہ اخذ کیا جائے۔

و: کتاب میں جہاں شہادت کی نفی آئی ہے، مثلاً ''یہ شہید نہیں'' اس سے عموماً وہ شہید مراد ہے جس کے احکام عام مردوں سے مختلف ہیں، یعنی اس سے شہادت اخروی کی نفی مراد نہیں۔

ز: جب کسی مسئلہ کے ذیل میں یوں آئے کہ ''یہ شہید ہے'' یا ''مرنے والا کے لئے شہادت کے احکام ہیں'' وغیرہ، یہاں ملحوظ رہے کہ ''شرائط کی تکمیل پر''۔

مقدمہ

فصل اول

شہادت کے لغوی معنیٰ

شَہِدَ یَشْہَدُ شُہُوداً: حاضر ہونا،......الشیَ: معاینہ کرنا، اطلاع پانا......الجمعۃَ: پانا،......عَلیٰ کذا: گواہی دینا،

شہِد یشہَد و شہُد یشہُد شہادۃً: گواہی دینا

شَہِدَ: الشُہُودُ والشَّہَادَۃُ: الحُضُورُ مَعَ المُشَاہَدَۃِ، اما بالبَصرِ او بالبَصِیرَۃِ وقدیقالُ للحضورِ مُفرداً قال (عَالمُ الْغَیبِ والشَّہادَۃِ) لکن الشہود بالحضور المجرَّدِأولی، والشَہادَۃمع المُشاہَدۃِأولیٰ.

راغب اصفہانی کہتے ہیں شہود اور شہادۃ کے معنی ہیں: بصر یا بصیرت کے مشاہدہ کے ساتھ کہیں موجود اور حاضر رہنا، اور لیکن شہود محض موجودگی کے لئے اولی ہے، اور شہادۃ موجودگی کے ساتھ مشاہدہ کے لئے استعمال میں اولی ہے۔

والشہادۃ: قول صادر عن علم حصل بمشاہدۃ بصیرۃ او بصر، قولہ (اَشَہِدُوا خَلْقَھُم) یعنی مشاھدۃ البصر، وقولہ (واَنتم تَشہَدُونَ) ای تعلمون.

شہادت اس قول کو کہتے ہیں جو حسی یا معنوی مشاہدہ سے حاصل علم کی بنیاد پر ہو۔

(مفردات ۲۸۵-۲۸۶)

والشہادۃ خبر قاطع، تقول منہ: شہد الرجل علی کذا.

شہادت حتمی ویقینی خبر کو کہتے ہیں۔

قال ابنُ السَّیدۃُ: الشَّاھدُ العالمُ الذی یُبَیِّنُ ماعَلِمَہ.

ابن سیدہ کہتے ہیں: شاہد اس آگاہ کو کہتے ہیں جو اپنی واقفیت بیان کرے۔

قال ابن الاعرابی: معنی (شَھِدَاللہ) قال اللہ ویکون معناہ علم اللہ ویکون معناہ کتب اللہ.

ابن الاعرابی کہتے ہیں: قرآن میں اس کے معنی علم کے علاوہ قال اور کتب کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، قال اللہ: اللہ تعالی فرماتے ہیں، کتب اللہ: اللہ تعالی نے مقرر کیا۔

المشاھدۃ: المعاینہ دیکھنا

اَشْھَدَو استشھد: گواہ بنانا، گواہی طلب کرنا

اَشْھَدَ: الغُلامُ و الجَارِیۃُ: بالغ ہونا

شاھد: فاعل، جمع شھُدو شُھود و اَشھاد

شھید: فاعل، جمع شھداء اس کے سوا کوئی جمع مستعمل نہیں۔

(لسان العرب ۳/۲۳۸-۲۴۰)

شہید کی وجہ تسمیہ

الشھید: ھو المحتضر فتسمیتہ بذلک- لحضور الملائکۃ ایاہ، اشارۃ الی ماقال (تَتَنَزَّلُ عَلَیھِمُ المَلائِکۃُ الَّا تَخافُوا).

دراصل شہید اس کو کہتے ہیں جو حالت نزاع میں ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ بوقت وفات اس کے پاس فرشتے حاضر رہتے ہیں۔

الشھید: ھو المحتضر فتسمیتہ بذلک- لحضور الملائکۃ ایاہ، اشارۃ الی ماقال (تَتَنَزَّلُ عَلَیھِمُ المَلائِکۃُ الَّا تَخافُوا).

اس لئے کہ ملائکہ رحمت اس حالت میں اس کے پاس آتے ہیں جیسا کہ آیت میں ہے۔

-لانهم تشهد ارواحهم عند الله كما قال (ولَاتَحسَبَنَّ الَّذِينَ قُتلُوا فِي سَبيلِ اللهِ اَموَاتاً). (مفردات ۲۸۷)

اس لئے کہتے ہیں کہ ان کی روحیں بوقت شہادت حضور حق میں موجود ہوتی ہیں۔

سمي الشهيد شهيدا: لان الله وملٰئكته شهود له بالجنة.

شہید کو شہید اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالی اور اس کے فرشتے شہید کے لئے استحقاق جنت کی گواہی دیں گے۔

-لانهم يُستشهدون يوم القيامة مع النبي ﷺ على امم الخالية.

اس لئے کہتے ہیں کہ قیامت میں وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ امم سابقہ کو حق پہونچنے پر گواہی دیں گے، قرآن پاک میں ہے۔ (لِتكُونوا شُهَداءَ علىٰ النَّاسِ)

-لقيامه بشهادة الحق في امر الله حتى قتل.

اس لئے کہ اس نے مرتے دم تک اللہ پر ایمان، اور اس کے متعلقات کے بارے میں حق کا دامن نہیں چھوڑا۔

-لانه حيٌّ لم يمت كانه شاهد، اي حاضر.

اس لئے کہ وہ زندہ ہے اور مردوں کی طرح نہیں مرا، گویا کہ وہ موجود ہے۔ (لسان العرب ۳/ ۲۴۲)

-لانه شهد له بالايمان و خاتمة الخير بظاهر حاله.

اس لئے کہ اس کے ظاہر حال سے خاتمہ بالایمان کا یقین کیا جاسکتا ہے۔

-لان عليه شاهداً يَشهد بكونه شهيدا، وهو دمه فانه يبعث وجرحه يثعب دما.

اس لئے کہ شہید کے ساتھ شہید ہونے کی ایک سند موجود ہے، وہ ہے اس کے جسم سے بہنے والا خون، کہ قیامت میں بھی وہ بہتا رہے گا۔

(شرح نووی علی مسلم ۱/ ۸۱)

فصل ثانی

شہید کی قسمیں

انجام و احکام کے اعتبار سے شہید کی درج ذیل تین قسمیں پائی جاتی ہیں:

(الف) دنیاوی واخروی شہید (شہید کامل): یعنی وہ شخص صدق دل سے جہاد کرتے ہوئے شہادت کی سعادت حاصل کرے، یا ظلماً آلہ دھاردار سے قتل کیا جائے، اس کو آخرت میں شہادت کا مرتبہ نصیب ہوگا، اور دنیا میں بھی اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے۔

(ب) اخروی شہید: یہ وہ شخص ہے جو جہاد میں یا مظلومانہ حالت میں مارا جائے، لیکن شرائط نہ پائے جانے پر عام میت کی طرح اسے غسل وکفن دیا جائے، یا ان صورتوں میں سے کوئی صورت ہو جن میں مرنے والے کے لئے حضرت نبی کریم ﷺ نے شہید جیسے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، جیسے راہ علم میں مرنے والا، پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، ولادت سے مرنے والی عورت وغیرہ۔

(ج) دنیوی شہید: ایسا منافق یا بدنیت شخص جو محض دکھاوے کے لئے جہاد میں شریک ہو کر مارا جائے، اگرچہ دنیا میں اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے؛ لیکن آخرت میں اس کو شہادت کا مرتبہ حاصل نہ ہوگا، اس کی صراحت احادیث میں بھی موجود ہے، اس تیسری قسم کے بارے میں دنیا کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کل اس کا فیصلہ کریں گے۔ (شرح مسلم للنووی ۱/ ۸۱، عمدۃ القاری ۱۴/ ۱۲۸، رد المحتار ۳/ ۱۶۴)

شہید کامل کے احکام صرف جہاد کے لئے نہیں

جہاد کے علاوہ بھی ایسے مواقع ہیں جن میں مرنے والے کے لئے شہید کامل کے احکام ہیں، جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے تھے، حالانکہ وہ جہاد میں نہیں تھے، لیکن انہیں بلا غسل وکفن شہید کی مانند اپنے ہی کپڑوں میں دفنایا گیا۔

وقتل عثمان رضی اللہ عنہ یوم الجمعة، ودفن الیلة السبت فی جوف اللیل، وھو ابن ثلاث وثمانین سنةً کان شھیدا فلم یغسل، وکفن فی ثیابه ودمائه ھو، لا غلامیه، وترک القوم الآخرون بالبلاط حتی اکلتھم السباع.

عن إبراھیم بن عبداللہ بن فروخ عن ابیه قال: شھدت عثمان رضی اللہ عنہ، دفن فی ثیابه بدماءہ ولم یغسل. (تاریخ دمشق مجلد ۲۱، جزء ۴۱/ ۳۴۹)

یہی واقعہ قتل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا، لیکن شرائط کے فقدان کے سبب شہید کامل کی طرح نہیں، بلکہ عام حکم کے مطابق ان کی تجہیز وتکفین کی گئی، اسی طرح حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں، اور حضرت زید بن صوحان رضی اللہ عنہ نے جمل میں کہا تھا: ہم شہید ہیں، کل قیامت میں اپنے قاتلوں سے خصومت کریں گے۔

عن العیزار بن حریث العبدی قال: قال زید بن صوحان رضی اللہ عنہ یوم الجمل: ارمسونی فی الارض رمسا، ولا تغسلوا عنا دما، ولا تنزعوا عنی ثوبا الا الخفین، فانی محاج احاج.

عن یحیی بن عابس عن عمار رضی اللہ عنہ قال: ادفنونی فی ثیابی فانی مخاصم.

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۱۱۰۷ تا ۱۱۱۰۸، ۷/ ۱۵۰)

اور ظاہر ہے کہ یہ جہاد، یعنی کفار سے مقابلہ نہ تھا، اس لئے یہ سمجھنا کہ شہید کے احکام صرف مجاہد کے لئے ہیں درست نہیں، ہاں! البتہ مجاہد شہداء کی اقسام میں سب سے اعلیٰ درجہ رکھتا ہے، بلکہ دیگر شہداء کی شہادت شہیدِ جہاد سے الحاق کرنے کی بنیاد پر ہے۔

شہید کامل کی صورتیں

جن صورتوں میں قتل ہونے والے کے لئے شہید کامل کے احکام ہوتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جہاد فی سبیل اللہ میں شہادت (۲) حربی کا مقتول شہید ہے (۳) قطاع الطریق ومحاربین کا مقتول شہید ہے (۴) باغیوں کا مقتول شہید ہے (۵) چوروں کے مقتول شہید ہیں (۶) اپنے دین کے دفاع میں مقتول شہید ہے (۷) اپنی جان کے دفاع میں مقتول شہید ہے (۸) اپنی آبرو کے دفاع میں مقتول شہید ہے (۹) اپنے مال کے دفاع میں مقتول شہید ہے (۱۰) کسی معصوم الدم، مثلاً گھر والے یا کسی مسلمان، اسی طرح ذمی کے دفاع میں مقتول شہید ہے (۱۱) مسلمانوں کی دو جماعتوں میں تصادم ہو جائے، جن میں سے ایک کا ظالم ہونا یقینی ہو، وہاں جماعت مظلومہ کے مقتولین شہید ہوں گے (۱۲) ان سب صورتوں کے علاوہ کسی مسلمان یا ذمی کے ہاتھوں ظلماً قتل ہونے والا شہید ہے۔

شہداءِ آخرت کی تعداد

۱- جہاد کا مقتول، جو شہید کی قسم اول میں اس لئے نہ داخل ہوا کہ اس میں جو شرطیں احکام کی بیان کی گئی ہیں، نہیں پائی گئیں۔

۲- طاعون میں وفات پانے والا۔

۳- ڈوب کر فوت ہونے والا۔

۴- نمونیہ میں فوت ہونے والا۔

۵- پیٹ کی کسی بیماری میں فوت ہونے والا۔

۶- جل کر (یا کرنٹ سے) وفات پانے والا۔

۷- کسی عمارت وغیرہ میں دب کر فوت ہونے والا۔

۸- حمل کی حالت میں وفات پانے والی عورت۔

۹- وہ لڑکی جو (حرام سے بچ کر) کنواری ہی انتقال کرگئی۔

۱۰- سل، یعنی تپ دِق کی بیماری میں وفات پانے والا۔

۱۱- وہ شخص جسے ظالم کے سامنے حق بات کہنے، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پاداش میں قتل کیا گیا ہو۔

۱۲- ظلماً چھینی گئی شی کے دفاع میں قتل کردیا جائے۔

۱۳- جس شخص کو جہاد میں گھوڑے یا اونٹ نے کچل دیا ہو۔

۱۴- جس کی موت زہریلے جانور کے ڈسنے یا کاٹنے سے ہوئی۔

۱۵- اپنے بستر پر کسی طرح کی موت پائی ہو۔(مات علی فراشه علی ای حتف شاء الله).

۱۶- جس کی موت متلی و قے لگنے سے واقع ہو۔

۱۷- اُچھو لگنے سے مرنے والا۔

۱۸- جس شخص کو درندے نے مار ڈالا ہو۔

۱۹- جو اپنی سواری سے گر کر مرگیا، (ایکسیڈنٹ میں مرنے والا)۔

۲۰- جس کو سمندری سفر میں قے آنے سے موت ہوجائے۔

۲۱- جس نے سچے دل سے شہادت طلب کی ہو اور اپنی موت مرگیا۔

۲۲- جس کی موت پہاڑ (یا چھت) سے گرنے سے ہوئی۔

۲۳- علاقہ میں طاعون پھیلنے کے باوجود جو شخص وہیں جما رہے، اور بلا طاعون ہی اس کی موت ہوجائے۔

۲۴- سفرِ جہاد میں جاکر بلا قتل اپنی موت مرنے والا۔

۲۵-بخار میں وفات پانے والا۔

۲۶-جس کو ظلماً قید کر دیا گیا اور قید ہی میں اس کی موت ہوگئی۔

۲۷-جس کی موت اہل حکومت کے ظلماً مارنے سے واقع ہوئی۔

۲۸-اسلامی سرحدوں کا محافظ جو اپنی موت مر جائے۔

۲۹-نظر خوردہ مرنے والا (جس کو نظر بد لگنے سے موت آگئی)۔

۳۰-جو شخص بیمار ہو کر مر جائے۔

۳۱-جس شخص کو کسی سے عشق ہو جائے اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنے عشق میں پاکباز اور متقی رہا، بلکہ اس نے اپنے عشق کو چھپایا بھی، اور اسی حال میں اس کا انتقال ہوگیا۔

۳۲-جو شخص صبح تین مرتبہ (اَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ) پڑھے پھر سورہ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھے، اگر اسی دن فوت ہوگیا تو شہید ہوگا، اور اگر رات میں پڑھا اور رات میں فوت ہوا تو شہید ہوگا۔

۳۳-باوضو مرنے والا۔

۳۴-جو چاشت کی نماز پڑھے اور ہر مہینہ تین روزہ رکھے، اور وتر سفر میں چھوڑے، نہ اقامت میں۔

۳۵-جمعہ کے دن یا رات میں وفات پانے والا۔

۳۶-جس شخص کو راہِ جہاد میں کوئی دانہ پھوڑا وغیرہ نکلا ہو، اس پر قیامت میں شہادت کی مہر ہوگی۔

۳۷-جو شخص صبح وشام لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ (سورۂ زمر) پڑھے۔

۳۸-وہ شادی شدہ عورت جو شوہر کی غیر موجودگی میں غیرت اختیار کرے اور

خود کو حرام سے بچائے۔ ؎

۳۹-جو شخص روزانہ پچیس مرتبہ یہ دعا کیا کرے((اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِی فِی الْمَوتِ، وَفِیْمَابَعْدَالْمَوْتِ)).

۴۰-خلافِ شرع ماحول میں نبی کریم ﷺ کے طریقوں اور سنتوں کو زندہ کرنے والا، اوران پر جمنے والا۔

۴۱-جو شخص بلا اجرت اللہ سے ثواب کی امید پر اذان دیتا ہو۔

۴۲-وہ شخص جس نے اپنی زندگی حسن سلوک میں گذاردی ہو، یالوگوں کی مہمان داری اورتواضع اس کا شیوہ رہا ہو۔

۴۳-وہ تاجر جو مسلمانوں کی آبادی میں اناج مہیا کرائے۔

۴۴-وہ مظلوم جو ظلم سے بچنے کی خاطر روپوش رہ کر مرگیا۔

۴۵-جو شخص علم دین کے تحصیل میں وفات پائے، اس سے مراد وہ شخص ہے

؎ ایک دوسری حدیث پاک میں ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اور وہ عورت جس نے اپنے یتیم بچوں کی خاطر محنت مزدوری کر ان کی پرورش کی، جس سے اس عورت کا حسن بھی جاتا رہا، (یعنی زنائے حرام تو حرام اس نے حلال، یعنی نکاح بھی نہ کیا) جنت میں اس طرح ہوں گے، اور آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا(ابوداوٗد)۔اس حدیث پاک میں اس عورت کا بیان ہے جس کا شوہر نہیں رہا، خواہ مرگیا، یا علیحدگی ہوگئی، اور اوپر جس کا ذکر ہے وہ شوہر والی ہے، فیض القدیر میں اس کے الفاظ یہ ہیں ’’الغیوری علی زوجھا‘‘(فیض القدیر(۵۳۹ / ۴)اس کے لئے شہادت کا ثواب موعود ہے، تاہم بے شوہر والی عورت کے صبر کا ثواب بڑھا ہوا ہے، کہ اس کے لئے حضور ﷺ نے اپنے معیت کا وعدہ کیا ہے، یعنی وہ عورت انبیاء کے ساتھ ہوگی، ظاہر ہے کہ نبی وشہید کے درجات میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ واللہ اعلم

جو حصول علم اور درس وتدریس میں مشغول ہو، یا تصنیف وتالیف میں مصروف ہو، یا کسی علمی مجلس میں حاضر ہوا کرے، چوبیس گھنٹہ مشغولی ضروری نہیں، دن میں ایک سبق، یا ایک مجلس کی حاضری بھی کافی ہے۔

۴۶-وہ بندہ جو حلال روزی سے اپنے بیوی بچوں کی پرورش کرے، اور ان کے حقوق ادا کرتے مرجائے۔

۴۷-سفر میں وفات پانے والا۔

۴۸-وطن سے دور پردیس میں مرنے والا۔

۴۹-ہر رات سورہ یٰسین پڑھنے والا۔

۵۰-جو شخص ٹھنڈے پانی سے نہائے اور ٹھنڈ لگنے سے اس کی موت ہو جائے۔

۵۱-جو شخص مرگی کے مرض میں مرجاتا ہے۔

۵۲-حالت نفاس میں وفات پانے والی عورت۔

۵۳-جس نے ظالم کو مارنے کے لئے وار کیا، لیکن وار خطا ہو کر وہ خود مرگیا۔

۵۴-جو شخص اپنے مرض وفات میں چالیس دفعہ آیت کریمہ (لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَکَ إِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِین) پڑھے، اور اسی بیماری میں انتقال کرے۔

۵۵-جو شخص حج وعمرہ کے درمیان مرجائے۔

۵۶-جو آنحضرت ﷺ پر سو مرتبہ درود شریف پڑھے۔

۵۷-بدن میں گلٹیاں نکلنے سے وفات پانے والا۔ (غدة کغدة البعیر تخرج فی المراق و الآباط من مات منها مات شهیدا)۔

۵۸-اسلام کی حالت پر کوئی بھی موت مرے۔ (کل موت یموت

بها مسلم فهو شهيد).

۵۹- گڑھے میں گر کر مر جانے والا۔

۶۰- رمضان کے مہینہ میں مرنے والا۔

۶۱- مکہ مکرمہ، یا مدینہ معطّرہ میں مرنے والا۔

۶۲- بیت المقدس میں مرنے والا۔

۶۳- دبلے پن کی بیماری میں مرنے والا۔

۶۴- جو شخص کسی آفت و بلا میں مبتلا ہو، اور وہ اسی حالت میں صبر ورضا کا دامن تھامے مر جائے۔

۶۵- جو شخص نوے ۹۰ سال کی عمر میں مر جائے۔

۶۶- آسیب زدہ ہو کر مرے۔

۶۷- اس حال میں مرے کہ اس کے والدین اس سے راضی ہوں۔

۶۸- نیک بخت بیوی اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو۔

۶۹- منصف بادشاہ وحاکم۔

۷۰- عادل قاضی۔

۷۱- جو کسی مسلمان کے ساتھ کلمۂ خیر، یا اس کی کسی طرح مدد کر کے بھلائی کا معاملہ کرے۔

(عمدۃ القاری ۱۴/۱۲۶، اوجز المسالک ۲/۴۸۹، رد المحتار ۳/۱۶۴-۱۶۶، مظاہر حق ۲/۳۴۸، احکام میت ۱۸۶)

۷۲- جو شخص وصیت کر کے مرا ہو وہ شہید ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۲۶۶)

یہ بات جان لینی چاہئے کہ شہید کہہ کر عام طور پر جو مراد لیا جاتا ہے، وہ ہے جو اللہ کے راستے میں اخلاص کے ساتھ لڑتا لڑتا قتل کر دیا جائے، اُسی شہید کے لئے وہ تمام فضائل ہیں جس سے قرآن وحدیث کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، یہ حضرات جنہیں شہیدِ آخرت کہا گیا ہے ان کے لئے وہ سارے فضائل نہیں جو شہید حقیقی کے لئے ہیں، بلکہ یہ رحمت الٰہیہ ہے جو اپنے بندوں پر متوجہ ہونے کے لئے بیتاب ہے، کہ کسی طرح ان لوگوں کو بھی جو یہ موتیں مرتیں ہیں، کچھ نہ کچھ بہانہ ہی سے درجات سے نوازا جائے۔

ع رحمت حق بہانہ می جوید، بہا نمی جوئید

اس لئے ان شہداء کو شہداء جہاد کے ہم پلہ اور ان ہی جیسے درجات کا مستحق سمجھنا درست نہیں، ہاں ان کی بے بسی اور بے کسی کی موت کی بنا پر انہیں شہادت کا ثواب ملتا ہے، ورنہ وہ لوگ جنہوں نے اپنی گردنیں کٹائیں، ان کے برابر نہیں ہو سکتے جنہیں میدان کارزار بھی نہ دیکھا۔

فصل ثالث

قتل کے اقسام

چونکہ شہادت کی صورتیں قتل ہی پر موقوف ہیں اس لئے اس کے اقسام کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے، قتل کی فقہاء نے پانچ قسمیں کی ہیں:

(۱) قتل عمد (۲) قتل شبہ عمد (۳) قتل خطا (۴) قتل شبہ خطا (۵) قتل بالسبب

قتل عمد

ہتھیار، یا کوئی ایسی چیز جو چیر پھاڑ کرنے میں ہتھیار جیسی ہو، اس سے کسی انسان کو مارنا، خواہ قتل کا ارادہ ہو یا نہ ہو، امام ابوجعفر احمد الطحاوی نے اس کی حقیقت یہ بیان کی ہے:

فاما العمد: فھو ما تعمدہ بسلاح او بغیرہ مما یجرح.

ابوبکر جصاص رازی اس پر تبصرہ کرتے کہتے ہیں:

ھو حقیقۃ قتل العمد الموجب للقود باتفاق من اصحابنا.

(شرح مختصر الطحاوی ۵/ ۳۸۵، ولوالجیہ ۵/ ۲۶۸، ملتقی الابحر ۴/ ۳۰۸)

قتل عمد کی حقیقت میں قصدیت وارادیت ہے، جس میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں:

(۱) قصد وارادہ؛ بغیر قصد وارادہ کے عمد نہیں پایا جاتا، اور قصد وارادہ بھی وہ جو متعلق بعمل ہو یعنی ارادۃً مارنا، فقط ارادہ نہیں۔

(۲) قاصد وعامد؛ قصد وارادہ کرنے والا۔

(۳) مقصود ومراد؛ یعنی وہ شخص جس کو مارا گیا۔

یہ تینوں چیزیں تنہا لفظ تعمد میں آگئی، تعمّد کی قید سے قتل خطا تعریف سے خارج ہوگیا، کہ اس میں قصد وارادہ تو فی الجملہ ہوتا ہے، لیکن خطا کی دونوں قسموں: خطا فی الظن، خطا فی الفعل میں مقتول مقصود ومراد نہیں ہوتا، بلکہ دوسرا ہوتا ہے، جار مجرای خطا بھی تعریف سے نکل جائے گا، کہ وہاں سرے سے ارادہ ہی نہیں موجود ہوتا۔ اور یہ جو کہا گیا کہ وہ تعمد متعلق بعمل ہو اس کا مطلب ہے؛ بلاکسی واسطۂ سبب قتل کا ارتکاب کرنا، از خود مباشر ہونا، اس سے قتل بالسبب سے امتیاز ہوگیا، بسلاح او بمافی معناہ سے شبہ عمد کا احتمال بھی جاتا رہا۔

عمد وقصد کا اقرار

اگر قتل کی کیفیت میں قاتل یہ اقرار کرے کہ میں نے اگرچہ آلہ قتل استعمال نہیں کیا، لیکن میری نیت قتل کرنے ہی کی تھی، تو ایسی صورت حال میں آلہ قتل کا لحاظ نہ کیا جائے گا، بلکہ قاتل کے اقرار سے ہی عمد ثابت ہو جائے گا، گو سلاح یا قائم مقام سلاح کا استعمال نہیں۔ (فتاوی عثمانی ۳/ ۵۴۷)

وفی المعراج عن المجتبی: یشترط عند ابی حنیفة: ای فی شبه العمد ان یقصد التادیب دون الاتلاف. (ردالمحتار ۱۰/ ۱۵۹)

اس عبارت پر علامہ رافعی فرماتے ہیں:

(ای فی شبه العمد ان یقصد التادیب) یوافقه ما قاله الزیلعی، وانما سمی هذا النوع شبه عمد لان فیه قصد الفعل لا القتل، فکان عمدا باعتبار نفس الفعل وخطا باعتبار القتل .اھ .ویوافقه ماذکره ایضاً فی الاستدلال لمذهب الامام

رحمہ اللہ تعالی وعلی ھذا اذا اقر بقصد قتلہ بما ذکر یقتص منہ عندہ.

(تقریرات رافعی بذیل رد المحتار ۱۰/صفحہ تقریرات ۳۲۲)

اقول: مما ینبغی ان یعلم ان القتل ازھاق الروح، والعمد ھو القصد، فالموجب للقود ازھاق الروح بالقصد، ولا دخل فیہ لخصوص الآلۃ، الا ان القصد امر مبطن لا یعلم الا من جھۃ الدلیل، فان کان الدلیل ھو اقرار القاتل، بان اقر بانہ قتل بالقصد، فلا خلاف فی ان ھٰذا القتل موجب للقود بای آلۃ کانت، کما علمت انہ لا دخل لخصوص الاٰلۃ فی وجوب القود وانما الموجب لہ ھو القتل عمداً.

(اعلاء السنن ۱۸/۷۶-۷۵)

آلۂ قتل

دراصل قتل عمد جس میں قصاص واجب ہوتا ہے قاتل کے قصد وارادہ کا نام ہے، اور ظاہر ہے کہ قصد وارادہ کا علم قاصد کے بتلائے بغیر نہیں ہوسکتا ہے، چنانچہ اگر قتل کے بعد قاتل کہہ دے کہ میرا ارادہ قتل کا نہیں تھا بلکہ یونہی مارا تھا لیکن وہ مرگیا، اور جب اس نے عمدیت، یعنی قصد وارادہ کی نفی کردی تو قصاص ساقط ہوجانا چاہئے تھا، اس طرح تو قصاص کا باب ہی بند ہوجاتا کہ ہر شخص بعد قتل یہی اقرار کرلیا کرتا، اس لئے اس کے قصد وارادہ کو جاننے کے لئے ایک قوی دلیل کو بنیاد بنایا گیا، اور وہ ہے قتل میں استعمال ہونے والا آلہ اور ہتھیار، اگر وہ ہتھیار اس نوعیت کا ہے اس کو قتل ہی میں استعمال کیا جاتا ہے، تو اس کا

مطلب ہوا کہ قاتل کا ارادہ قتل کا ہے، ورنہ فقط تادیب کے لئے انسان دوسرے انسان پر حملہ، وہ بھی آلہ قتل سے نہیں کرتا، اور جب قاتل کے آلہ کو بنیاد بنالیا گیا تو قاتل کے قصدوارادہ کا کوئی فائدہ نہیں، مثلاً کسی پر تلوار سے حملہ کیا اور ہاتھ، پیر پر وار کیا کہ جس سے عموما وہ کٹ تو جاتا لیکن مرتا نہیں، لیکن وہ مرگیا، اب یہاں قاتل کے یہ کہنے کا اعتبار نہیں کہ میں نے تادیبی کاروائی میں ایسا کیا، بلکہ اس پر قصاص واجب ہوگا، لہٰذا ایسی صورت میں جبکہ قاتل قتل عمد کا انکار کرے عمد کا دارومدار آلہ قتل پر ہوگا۔

(مستفاد از ہدایہ ودر مختار)

آلۂ قتل جس پر قتل عمد کا مدار ہے، اس سلسلے میں ایک روایت تو یہ ہے کہ قتل میں اگر لوہے کا استعمال ہوا ہے تو بلا شرط دیگرے قتل عمد ہوگا، خواہ لوہا دھاردار ہو یا نہ ہو۔

فعلی ظاهر الروایة العبرة للحدید نفسه، سواء جرح او لا.

(البدائع ۶/ ۲۷۲)

اگر دھاردار ہتھیار ہو تو زخم لگنا یقینی ہے، اور اس صورت میں قتل عمد اور قصاص ہوگا۔

مثقل یعنی غیر دھاردار شی، خواہ لوہے کی ہو، یا کسی بھی قسم کی دوسری دھات کی بنی ہو، قتل عمد ہوگا یا نہیں؟ ظاہر الروایہ کے مطابق معدنی اشیاء کا مثقل بھی لوہے کے حکم میں ہے کہ اس سے قتل ہو جانے پر بلا شرط جراحت قتل عمد ہوگا۔

وذکر فی قاضیخان وفی ظاهر الروایة فی الحدید وما یشبه الحدید کالنحاس وغیره لا یشترط الجرح.

(الکفایہ علی الهدایہ، وحاشیہ چلپی ۱۰/ ۱۳۹)

عمد میں جراحت شرط ہے

امام اعظمؒ کی عمد کی تعریف میں راجح تفصیل یہ ہے کہ غیر دھار دار اسلحہ سے قتل عمد نہیں ہوتا،قتل عمد اس وقت ہوگا جبکہ وہ آلہ قتل جارحہ یعنی چیر پھاڑ کرنے والا ہو،رض یعنی کوٹنے کا اعتبار نہیں، جیسے لوہے وغیرہ کا گول راڈ،سریا،چین اس جیسی چیزوں سے زخم تو ہوگا،مگر یہ چیزیں چیر پھاڑ نہیں کرتیں،لہٰذا ان میں قتل عمد نہ ہوگا۔

فالعمد ما تعمد ضربه بسلاح او ما اجری مجری السلاح، کالمحدد من الخشب و لیطة القصب و المروة المحددة و النار.

(الھدایہ مع الفتح ۱۰/ ۱۳۸، انظر ایضاً ۱۰/ ۱۶۳-۱۶۵ حاشیہ سعدی چلپی ۱۰/ ۱۳۹)

(لکن نقل المصنف عن الخلاصه ان الاصح اعتبار الجرح عند الامام لوجوب القود و علیه جری ابن الکمال)قال ابن عابدین : صرح بذلک فی الھدایة ایضاً و لم یتعقبه الشراح فکان النقل عنها اولی لانها اقوی.

(ردالمحتار علی الدرالمختار ۱۰/ ۱۸۶، التاتارخانیہ؛رقم المسئلہ ۳۰۳۲۷ تا ۳۰۳۳۰، ۱۹/ ۶،۷)

جراحت کی دو شکلیں ہیں ظاہری اور باطنی،جراحت ظاہری چیرنا پھاڑنا یا کاٹنا، جراحت باطنی رضّ یعنی کسی عضو کو پیس دینا،کوٹ دینا،یہاں جراحت سے صرف چیر پھاڑ مراد ہے،خلاصہ یہ کہ ایسی چیز جس سے خون بہانے کا کام لیا جاسکتا ہو اس سے قتل عمد ہوگا ورنہ نہیں۔

و الحاصل ان کل ما یتعلق به الذکاة فی البھائم یتعلق به وجوب القصاص، و ما لا یتعلق به الذکاة لا یتعلق به القصاص کذا ذکره الناطفی فی الاجناس.(البزازیہ ۶/ ۳۸۳)

و الحاصل: ان ما یتعلق به الذکاة فی البھائم یتعلق به وجوب القصاص. و ما لا فلا، کذا ذکره الناطفیؒ فی الاجناس.

(شرح منظومہ ابن وھبان ۲ / ۲۰۰، الھندیہ ۶ / ۵، الدرالمختار ۱۰ / ۱۵۷)

فعلی ھذہ الروایة یعتبر الجرح سواء کان حدیدا او عودا او حجرا بعد ان یکون آلة یقصد بھا الجرح. قال صدر الشھید: والاصح ان المعتبر عندہ الجرح. (مجمع الانہر ۴ / ۳۰۹)

حاصل یہ کہ امام اعظمؒ کے نزدیک قتل عمد تین صورتوں میں متحقق ہوگا:

(۱) معدنی دھاردار ہتھیار لوہا ہو، یا تانبا پیتل رانگا وغیرہ۔

(۲) غیر معدنی کوئی دھاردار شی، جیسے دھاردار لکڑی، دھاردار پتھر، کگار والا شیشہ، نکیلی لکڑی، یا ایسی ہی وہ تمام اشیاء جو چیر پھاڑ سکیں یا بدن میں نفوذ کرسکیں۔

عمد ھو ان یتعمد ضربہ بآلة تفرق الاجزاء مثل سلاح ومثقل لو من حدید جوھرہ، ومحدد من خشب وزجاج وحجر وابرة فی مقتل برھان ولیطة. قال ابن عابدین بعد نقل عبارة الجوھرہ: وروی الطحاوی عن الامام اعتبار الجرح فی الحدید ونحوہ. قال الصدر الشھید: وھو الاصح، ورجحہ فی الھدایة وغیرھا. (ردالمحتار علی الدرالمختار ۱۰ / ۱۵۵)

(۳) آگ بھی آلۂ قتل ہے۔

(ونار) لانھا تشق الجلد وتعمل عمل الذکاة حتی لو وضعت فی المذبح فاحرقت العروق اکل: یعنی ان سال بھا الدم والا لا، کما فی الکفایة.

قال ابن عابدین: قال ط: ونحوہ فی الخزانة والنھایة. حموی عن المقدسی.

(ردالمحتار ۱۰ / ۱۵۷، الکفایہ بھامش الفتح ۹ / ۱۳۹، الخانیہ ۳ / ۴۴۰، الھندیہ ۶ / ۵)

(اس پر متفرع بعض صورتیں جن میں قصاص واجب ہوتا ہے، باب رابع میں ذکر کی گئی ہیں، وہاں ملاحظہ ہوں۔)

قتل شِبہ عمد

قتل شبہ عمد یہ ہے کہ وہ آلہ دھار دار نہ ہو، اور چیر پھاڑ کے کام نہ آتا ہو، مراد پہلی قسم کا نہ ہو، جیسے بہت بڑا بھاری بھرکم پتھر، یا لکڑا، یا لوہے وغیرہ کا راڈ یا بغیر کسی آلہ کے قتل کیا گیا ہو جیسے گلا دبا کر، یا چھت سے دھکیل کر۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں عمد یہ کہ ایسی شی یا طریق سے قتل ہو، جس میں غالب موت و ہلاکت ہو، شبہ عمد یہ ہے کہ اس میں غالب موت و ہلاکت نہ ہو، چنانچہ اگر بڑے بھاری بھرکم پتھر، یا لکڑی سے کسی کو مارا، جس سے غالب اندیشہ قتل کا ہو، تو یہ ان حضرات کے نزدیک قتل عمد ہے، اور حضرت امام صاحب کے نزدیک یہ شبہ عمد ہے، اور اگر کسی قمچی، بید وغیرہ سے مارا تو کسی نزدیک بھی قتل عمد نہ ہوگا۔

قال القهستاني: اعلم ان ما ذكره من احكام الاثم و القود و الكفارة، كما لزم في العمد و شبهه عنده، لزم عندهما، الا ان العمد عندهما: ضربه قصدا بما يقتل غالبا، و شبه العمد: بما لا يقتل غالبا، فلو غرق في الماء القليل و مات ليس بعمد و لا شبه عمد عندهم، و لو القى في بئر او سطح او جبل و لا يرجى منه النجاة كان شبه عمد عنده، و عمدا عندهما، و يفتى بقوله كما في التتمه.

(رد المحتار ۱۰/ ۱۵۹، الھندیہ ۶/ ۳)

شبہ عمد میں قصاص نہیں لازم آتا، البتہ کفارہ یعنی ایک مسلمان غلام آزاد کرنا لازم ہے، اگر یہ نہ ہو سکے تو دو مہینے مسلسل روزے رکھنا، اور عاقلہ پر دیت مغلظہ - سو اونٹ - واجب ہوتی ہے۔ (الھندیہ ۶/ ۳)

قتل خطا کی دو قسمیں

خطا کے مفہوم میں قصد شامل ہوتا ہے، بلا قصد خطا متصور نہیں ہوتی؛ کیوں کہ خطا نام

ہی ہے قصد وارادہ کا چوک جانا، یعنی کسی پر ارادہ کے باوجود مقصود کا چوک جانا، چنانچہ قتل خطا کا مطلب یہ ہوا کہ قتل کرنے والے کا ارادہ تو قتل کا تھا، اور اس نے آلہ اور ہتھیار بھی قتل کا استعمال کیا، لیکن اس سے خطا ہو جائے، اور پھر خطا کی دو صورتیں ہیں۔

خطا فی القصد

ارادہ وقصد تو قتل کا تھا، لیکن مراد ومقصود (نشانہ) غلط طے کر لیا، جیسے جھاڑیوں میں آہٹ سے یہ سمجھ کر کہ شکار کا جانور ہے نشانہ لگایا، لیکن وہاں کوئی انسان تھا اور وہ مر گیا۔

خطا فی الفعل

قصد تو تھا، لیکن نشانہ اور وار چوک گیا، جیسے کسی ہدف، یا شکار، یا مباح الدم ،مثلاً حربی یا مرتد پر نشانہ سادھا، اور وہ نشانہ خطا کر کسی دوسرے انسان کو جا لگا۔

والثالث (خطا وھو) نوعان: لانہ اما خطا فی ظن الفاعل، ک(ان یرمی شخصا ظنہ صیدا او حربیا) او مرتدا (فاذا ھو مسلم)، او خطا فی نفس الفعل، کان یرمی (غرضا) او صیدا (فاصاب آدمیا) او رمی غرضا فاصابہ ثم رجع عنہ، او تجاوز عنہ الی ماوراءہ فاصاب رجلا، او قصد رجلا فاصاب غیرہ او ارادید رجل فاصاب عنق غیرہ ولو عنقہ فعمد قطعاً.الخ (الدر المختار ۱۰/ ۱۶۰)

قتل جار مجرای خطا (قائم مقام خطا)

جیسا کہ معلوم ہوا قتل خطا میں قصد ضرور ہوتا ہے گو چوک ہوئی، لیکن جار مجرای میں سرے سے ارادہ کا وجود نہیں ہوتا، بلکہ بلا ادنی قصد کے کسی کی جان چلی جائے، مثلاً چھت پر سے نیچے کسی پر گرا اور جس پر گرا اس کی موت ہو گئی، یا چلتی گاڑی کے سامنے سڑک پر دفعۃ کوئی آ گیا، چلانے والا گاڑی سنبھال نہ پایا اور سامنے آنے والے کی موت ہو گئی۔

(والرابع ما جرى مجراه) فحكمه حكم الخطا في الشرع، لكنه دون الخطا حقيقة، فان النائم ليس من اهل القصد اصلاً. الخ (الرد على الدر ۱۰/ ۱۶۱)

قتل خطا کی دونوں قسموں، اور جار مجرای خطا کی صورت میں کفارۂ قتل اور عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے۔

وموجبه اى موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطا وما جرى مجراه؛ الكفارة والدية على العاقلة. (الدر المختار ۱۰/ ۱۶۱)

قتل بالسبب

کسی کو مارنے کے لئے ایسا سبب اختیار کرے کہ جس سے موت تو یقینی ہو، البتہ قتل کے وقت مسبب عمل کا مباشر نہ ہو، جیسے سڑک پر بڑی کیلیں ڈالدیں، جس سے گاڑی پنکچر ہو کر حادثہ ہوگیا، یا کسی جگہ کرنٹ چھوڑ دیا جس سے ہاتھ لگانے والا مر گیا۔

والخامس (قتل بسبب كحافر البئر وواضع حجر في غير ملكه) ... وكذا وضع خشبة على قارعة الطريق. (الدر المختار ۱۰/ ۱۶۱)

اس صورت میں عاقلہ پر دیت ہوتی ہے، قصاص وکفارہ نہیں ہوتا۔ (الدر ۱۰/ ۱۶۲)

قتل سے محرومیٔ وراثت

قتل کی پہلی چار قسموں میں حرمانِ ارث بھی ہوتا ہے، یعنی قاتل کو مقتول کی وراثت - اگر کسی رشتہ کی بنیاد پر ملنا تھی - قتل کے سبب نہ ملے گی، اور آخری صورت، قتل بالسبب میں حرمان ارث نہیں ہوتا، اس میں وراثت ملے گی۔ (الدر المختار ۱۰/ ۱۶۲)

باب اول

فضائل شہادت

''راہ حق میں اخلاص کے ساتھ اپنی جان نچھاور کرنا، یا بحالت مظلومی قتل ہو جانا'' جس کو اسلامی اصطلاح میں شہادت کہا جاتا ہے۔ (کتاب المسائل ۲/۱۰۱)

موت اپنے محبوب سے ملنے کا پُل تصور کی جاتی ہے، جب کہ شہادت اس کی کامل وافضل ترین شکل ہے، اور شہادت موت کا سب سے اعلی درجہ ہے

- شہادت دلیل ایمان ہے
- کسی کے لئے شہادت کا انتخاب اس کی محبوبیت کا مظہر ہے
- شہادت استقامت وعزم کی علامت ہے
- شہادت سندِ مظلومیت ہے
- شہید پیکرِ حوصلہ ایمانی ہے

کتاب وسنت میں جہاں فی سبیل اللہ قتل وموت کا تذکرہ ہوا ہے، وہاں اس سے مراد جہاد میں مارے جانے والے ہی ہیں، تاہم جہاد کے علاوہ بھی بعض صورتوں میں مرنے والے کو نصوص میں شہید کی تعبیر دی گئی ہے، جہاں کم ہمّتی و بزدلی سے بچنے، اور انسانی غیرت وحوصلہ کو شرعی واسلامی بیان کیا گیا ہے۔

فصل اوّل

آیات قرآنی

مسلمانوں کی خرید اور ان کا زرِ خرید

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ قف وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ط وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ o (التوبہ:۱۱۱)

اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال، اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں، وعدہ ہو چکا اس کے ذمہ پر سچا توریت اور انجیل اور قران میں، اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ، سو خوشیاں کرو اس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے اس سے، اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ (ترجمہ شیخ الہند)

فائدہ: ان آیات میں عام مسلمانوں کے جان ومال کو اللہ تبارک وتعالی نے اپنا خریدا ہوا فرمایا ہے، اور اس کا زرِ خرید کو جنت بیان کیا ہے، تو کتنا ہی پیارا سودا ہے کہ خالق نے بخود اپنی خَلق کی اہمیت اس کی قیمت لگا کر کی ہے، پھر مسلمانوں کے پروانہ وار اپنی جان نچھاور کرنے کو کس فخریہ انداز میں – جب کہ جمیع مخلوق اسی کی ملکیت ہے – سراہا ہے، کہ اب وہ اہل اسلام ہماری راہ میں اپنی جان کی بازی لگانے سے بھی نہیں چوکتے، اور قتل ہو ہو جاتے ہیں۔

شہید زندہ ہیں

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ اَموات بَل اَحيَاء ولٰكِنْ لا تَشعُرُونَ ۝ (البقرہ: ۱۵۴)

اور نہ کہو انکو جو مارے گئے خدا کی راہ میں کہ مردے ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم کو خبر نہیں۔ (ترجمہ شیخ الہند)

فائدہ: حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں:

ایسے مقتول کو جو اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے شہید کہتے ہیں، اور اس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مرگیا صحیح اور جائز ہے، لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات ہر شخص کو حاصل ہے، اور اسی سے جزاء وسزا کا ادراک ہوتا ہے، لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہوتا ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے، جیسے انگلیوں کے پوروں اور ایڑی، اگرچہ دونوں میں حیات ہے اور حیات کے آثار بھی دونوں میں موجود ہیں، لیکن انگلیوں کے پوروں میں حیات کے آثار، احساس وغیرہ بہ نسبت ایڑی کے زیادہ ہیں۔

اسی طرح شہداء میں آثار حیات عام مردوں سے بہت زیادہ ہیں، حتی کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے، کہ اس کا جسم باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسم زندہ کے صحیح وسالم رہتا ہے، جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں، پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا ہے اور ان کو دوسرے اموات کے برابر کہنے کی ممانعت کی گئی ہے، مگر احکام ظاہرہ میں وہ عام مردوں کی طرح ہے، ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے اور ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کرسکتی ہیں۔

اور یہی حیات ہے جس میں انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں، یہاں تک کہ سلامت جسم کے علاوہ اس حیات برزخی میں کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں، مثلاً ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کی ازواج دوسروں کے نکاح

میں نہیں آسکتیں، پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں، پھر شہداء اور معمولی مردے......

اور ایک امتیاز اجساد شہداء کے لئے یہ کافی ہے کہ دوسری اموات سے زیادہ مدت تک ان کے اجساد خاک سے متاثر نہ ہوں، گو کسی وقت میں ہوجاویں، اور احادیث سے یہی امر مقصود کہا جاوے کہ ان کی محفوظیت اجساد خارق عادت ہے، اور خارق عادت ہونے کی دوصورتیں ہیں: حفظ مؤبد اور حفظ طویل، اور چونکہ عالم برزخ حواس یعنی آنکھ کان ناک ہاتھ وغیرہ سے مدرک نہیں ہوتا، اس لئے لا تشعرون فرمایا گیا کہ تم ان کی حیات کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ (معارف القرآن ا/۳۹۷ تا ۳۹۸)

انتہائے انعام

راہ حق میں ان جان نثاروں کی قدردانی کچھ اس طرح ہوئی، اور جس سے رحمت خداوندی کا ان پر بے پایاں متوجہ ہونا بھی پتہ چلتا ہے، کہ ان شہداء کو حق تعالی نے اس فہرست میں شمار فرمایا جن کے راہ قدم پانے اور اقتداء کی دعا ہر کلمہ گو ہر نماز میں، اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اس طرح بارگاہ حق میں کرتا ہے۔

اِھدنا الصِّرَاطَ الْمُستَقِیمَ ٥ صراط الذین انعمت علیھم ٥

بتلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا۔

یہ انعام یافتہ کون لوگ ہیں کہ جن کی راہ، راہِ ہدایت، جن کی راہ راہِ راست ہے؟

وَمَن یُطعِ اللہَ وَالرَّسولَ فاُؤلٰئِکَ معَ الَّذِینَ اَنعَمَ اللہُ عَلَیھِم مِنَ النَّبِیِّینَ وَالصِّدِّیقِینَ وَالشُّھَداءِ وَالصَّالِحِینَ وَحَسُنَ اُولٰئِکَ رَفِیقاً ٥ (النساء:۶۹)

اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا، سو وہ اس کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں، اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔ (ترجمہ شیخ الہند)

یہ انعام یافتہ حضرات انبیاء ہیں، صدیقین ہیں، شہداء ہیں، اور صالحین ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے نقش قدم پر چلنے کی دعا ہم نماز میں اللہ تعالی سے مانگا کرتے ہیں۔

فصل ثانی

احادیث طیبہ

شہید کی خواہش

مَا اَحد یَدخُلُ الجنَّۃَیُحبُّ اَن یَّرجعَ اِلیٰ الدُّنیاوَاِنَّ لَه ما عَلَی الاَرضِ مِن شَیءٍ الا الشَّھیدُ ،فَاِنَّه یَتَمَنّٰی اَن یَّرجع الی الدُّنیا فیُقتل عشرَ مرَّاتٍ لِمَایَریٰ مِن الکرامَۃِ.

(بخاری شریف رقم:۲۸۱۷،۲/ ۲۶۴)

جنت میں داخلہ کے بعد کوئی بھی انسان یہ نہ چاہے گا کہ وہ دنیا میں واپس لوٹے یا دنیا کی کوئی چیز اس کو دے دی جائے، البتہ شہید ضرور تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں دس مرتبہ لوٹایا جائے اور دس مرتبہ شہید کیا جائے، ان انعامات کو دیکھ کر جو شہادت پر اسے ملے ہیں۔

محبوب خدا ﷺ کی تمنائے شہادت

عَن ابی ھُرَیرۃ رضی اللہ عنہ عن النَّبِیِّ ﷺ قال:اِنْتَدَبَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ لِمَنْ خَرج فی سَبِیلِه لا یُخرِجُه الّاَاِیمانٌ بِیْ اَو تَصدِیقٌ بِرُسُلِی اَنْ اَرجِعَه بِمَانالَ مِنْ اَجرٍ اَو غَنِیمَۃٍ اَو اُدخِلَه الْجَنَّۃَ ،ولَولا اَن اَشُقَّ عَلیٰ اُمَّتِی ما قَعدتُّ خَلفَ سَرِیَّۃٍ ،ولَوَدِدْتُ اَنِّی اُقْتَلَ فیْ سَبِیلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحیِیٰ ثُمَّ اُقتلَ ثُمَّ اُحییٰ ثُمَّ اُقْتلَ ثُمَّ اُحییٰ ثُمَّ اُقتلَ.

(بخاری شریف:رقم الحدیث ۳۶،۱/ ۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ پر ایمان اور رسولوں کی تصدیق کی بنیاد پر اللہ کی راہ میں جہاد کے واسطے نکلنے والوں کے لئے اللہ نے یہ بات اپنے ذمہ لے لی ہے کہ یا تو ثواب اور غنیمت کے ساتھ فتح یاب لوٹیں گے، یا اگر کام آگئے تو میں انہیں جنت میں داخل کردوں گا، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے امت کے مشقت میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں جہاد کے کسی سفر سے پیچھے نہ رہتا (بلکہ ہر چھوٹے موقع پر بھی صحابہ کے ساتھ نکلتا)، اور میری یہ تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔

فائدہ: حضرت نبی کریم ﷺ کا ہر جہاد میں نہ جانا خصوصاً مصالح حکومت کی بنیاد پر تھا، اور آپ کی ہر جہاد میں عدم شرکت اور شہادت نہ ہونے کی ایک وجہ تو خود حدیث پاک میں مذکور ہے کہ اگر آپ ﷺ ہر جہاد میں تشریف لے جاتے تو امت بھی اس کو اپنے اوپر فرض سمجھتی اور عدم شرکت کی صورت میں حرج محسوس کیا جاتا، اس لئے آپ ہر جہاد میں شریک نہ ہوئے۔

ایک اور اہم وجہ یہ رہی کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس، سید الناس، امام الانبیاء، افضل الخلائق، اور رحمۃ للعالمین ہے، تمام عالموں کی ساری مخلوقات میں سب سے بڑھ کر آپ ہی کا درجہ ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اس صورت حال میں اُس بدبخت کے ساتھ کیا حشر کیا جاتا جو اس فعل قبیح اور امر شنیع کا مرتکب ہوتا؟...... اس کے عذاب کو تو ایک نئی دوزخ درکار ہوتی، لیکن یہ بھی آپ ﷺ کی رحمۃ للعالمینی ہے کہ یہ دعا آپ نے صرف بحیثیت تمنی کی اور اس پر پُرعزم نہ ہوئے، کیونکہ

امت کی اکثریت ایسی ہی ہے جنہیں اپنی موت مرنا ہے۔

پھر یہ جواب بھی تنزلاً ہے کیونکہ عند اللہ شہادت ہی کوئی آخری درجہ و مرتبہ نہیں کہ جس کے اوپر کوئی اور درجہ نہ ہو، بلکہ شہید تو تیسرے درجہ میں ہے، اس سے بھی اوپر دو درجات اور ہیں، سب سے پہلے انبیاء، دوسرے نمبر پر صدیقین، تیسرے نمبر پر شہداء، اور چوتھا نمبر صالحین کا ہے، جیسا کہ آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے:

(وَمَن یُطعِ اللہ وَالرَّسولَ فأُولٰئِکَ معَ الذِّین انعَمَ اللہُ عَلیھِم مِنَ النَّبِیّینَ وَالصِّدِّیقِینَ وَالشُّھَداءِ وَالصالِحِینَ وَحَسُنَ اُولٰئکَ رَفیقاً)۔ (النساء:۶۹)

شہید کی حاضری کا منظر

قَالَ رَسُولُ اللہ ﷺ: لا یُکْلَمُ احدفی سبیلِ اللہِ - و اللہ اعلمُ بِمَن یُکلمُ فی سبیلِہِ - الّاجَاء یَومَ القِیامَۃِو جُرحُہ یَثْعَبُ ، اللَّونُ لونُ دمٍ و الرِّیحُ رِیحُ مِسک۔ (بخاری شریف، رقم ۲۸۰۳، ۲/ ۲۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے راستہ میں کسی کو زخم نہیں لگتا - اللہ تعالی اسے جانتا ہے جسے اس کی راہ میں زخم لگا (اور اسے بھی جسے اس کی راہ میں زخم نہیں لگا) - وہ قیامت میں یوں حاضر ہوگا کہ اس کا زخم بہتا ہوگا، اس کی رنگت تو خونی ہوگی اور مہک مشک سی ہوگی۔

شہید پر سات خصوصی انعامات

اِنَّ للشَّھیدِ عندَاللہ سبعَ خِصالٍ: اَن یُغفَرلَہ فی اَوَّلِ دُفعَۃٍ مِن دَمِہ، ویَری مَقعدَہ مِنَ الجنَّۃِ، ویُحلّٰی حُلَّۃَ الایمان، ویُجارُ من عذابِ القبرِ، ویَامَنَ من الفَزَعِ الاکبرِ، ویُوضَعُ علی راسِہ تاجُ الوقارِ، الیَاقوتَۃُ منہ خیرٌ مِّن الدنیا وما فِیھا، ویُزَوَّجُ ثِنْتَینِ و سَبعِینَ زَوجَۃً

مِّنَ الحُورِ العِینِ، ویُشَفَّعُ فی سبعینَ من اَقارِبِه.

(مسند احمد، بحوالہ کتاب المسائل ۲/ ۱۰۴)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں شہید کے لئے اللہ کی طرف سے سات اہم انعامات ہوتے ہیں: (۱) خون کا پہلا فوارہ نکلتے ہی اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے (۲) اور جنت میں اس کا ٹھکانا پہلے ہی دکھلا دیا جاتا ہے (۳) اور اس کو ایمانی جوڑا پہنایا جاتا ہے (۴) اور اسے عذاب قبر سے پناہ دی جاتی ہے، اور وہ قیامت کی عظیم ہولناکی سے محفوظ رہے گا (۵) اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا (۶) اور اس کی ۷۲ ربڑی آنکھوں والی حوروں سے شادی کرائی جائے گی (۷) اور اس کے ستّر قریبی رشتہ داروں کے بارے میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔

صدق دل سے شہادت کی دعا کا انعام

قَالَ رَسولُ اللہ ﷺ: مَن طَلَبَ الشَّھادۃَ صادقاً اُعطِیَھا وَلولَم تُصِبہُ. (مسلم شریف ۲/ ۱۴۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص سچے دل سے شہادت کی تمنا کرے اسے شہادت کا ثواب دے دیا جاتا ہے اگر چہ وہ قتل نہ کیا جائے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قال: مَنْ سَألَ اللہَ الشَّھادَۃَ بِصِدقٍ بَلَّغَہ اللہُ مَنازِلَ الشُّھَداءِ واِنْ ماتَ علی فِراشِہِ. (مسلم شریف ۲/ ۱۴۱)

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص سچے دل سے اللہ سے

شہادت کا سوال کرے، اللہ جل جلالہ اس کو شہید کا درجہ عطا فرمائے گا اگر چہ وہ بستر پر مرے۔

فائدہ: حدیث پاک کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے دو باتیں حل ہونا ضروری ہیں جن کے بغیر صحیح طور پر مطلب سمجھ میں نہیں آتا، اور پھر یہی ناقص مفہوم حدیث فہمی اور پھر اس پر عمل یعنی دعاوتمنائے شہادت سے مانع ہو جاتا ہے۔

ایک تو یہ انسان اپنے کسب کا مکلف ہے، اس کے کسب ہی پر ثواب وعذاب کا مدار ہے، اور جو چیزیں اس کے کسب واختیار میں نہیں اس پر نہ ثواب ہے، نہ عذاب، اور قتل - جس کے بغیر شہادت ہو نہیں سکتی - انسان کا اپنا اختیاری فعل نہیں دوسرے کا فعل ہے، اور وہ بھی گناہ کہ کافر کو اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔

دوسرے یہ کہ اس دعا میں اپنے اوپر تسلطِ کفار بھی متضمن ہے کہ جہاد ہی میں شہادت حقیقی ہوتی ہے، یا کم از کم قتل کی اذیت تو کہیں گئی نہیں، دوسرا شخص جب شہید کرے گا تو قتل کی تکلیف تو ہوگی ہی، گویا کسی دوسرے سے اپنے لئے ایذاء مانگی جارہی ہے۔

پہلے سوال کا جواب یہ کہ اس دعا سے مقصود قتل یعنی غیر اختیاری فعل نہیں، بلکہ اختیاری ہی فعل مراد ہے، اور وہ ہے جہاد میں اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کرنا، ایسا نہ ہو کہ جہاد کا موقع ہو اور انسان وہاں سے پشت پھیر کر بھاگ جائے جو گناہ کبیرہ ہے، لہٰذا اس میں دعا وتمنا گناہ کبیرہ سے بچنے اور خود کو برائے شہادت پیش کرنے کی ہے، نہ کہ کسی دوسری بات کی۔

دوسرے سوال کا جواب یہ کہ دعائے شہادت کا مقصد تسلط کفار یا قتل وغیرہ نہیں، بلکہ دراصل یہ دعا ہے درجۂ شہادت اور منازل شہداء تک پہنچائے جانے کی، کہ اللہ اپنے فضل سے ہمیں وہ درجہ عطا فرمائیں جو شہید ہونے والے کے لئے خاص طور پر تیار کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ جل جلالہ اپنی وسعت رحمت سے وہ مرتبہ ودرجہ نیز وہ تمام انعامات جو شہداء کے لئے ہیں جس کو چاہیں عطا کر سکتے ہیں، درجہ شہادت کے لئے شہادت قانونی

طور پر لازم ہے، لیکن رحمت باری پر کوئی دباؤ نہیں، وہ اپنی رحمت جس پر چاہے عام کرے۔

حکیم الاسلام سلطان العلماء عزالدین ابن عبدالسلامؒ فرماتے ہیں:

فان قیل :القتل معصیة من القاتل الکافر فکیف یتمنی الانسان الشھادة مع ان تسببھا معصیة؟ فالجواب :انه مایتمنی القتل من جھة انه قتل، وانما تمنی ان یثبت فی القتال، فان اتی القتل علی نفسه فکان ثوابه علی تعرضه للقتل لاعلی نفس القتل، الذی لیس من کسبه، وعلی ھذا یحمل قوله ﷻ (ولقد کنتم تمنون الموت من قبل ان تلقوه) ای یتمنون الموت فی سبیل اللہ من قبل ان تلقوا اسبابه فی یوم احد.ویجوز ان یتمنی الانسان القتل من جھة کونه سببا لنیل منازل الشھداء لامن جھة کونه قتلا ومعصیة. (قوعدالاحکام ۱/ ۱۱۶ دارالمعرفہ)

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ قاتل کافر کا مسلمان کو قتل کرنا ایک معصیت اور گناہ ہے تو ایسی دعاو تمنا کیسے کرسکتا ہے جس کا سبب گناہ ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعا قتل ہونے کے لحاظ سے نہیں، بلکہ دعا یہ ہے کہ جہاد میں ثابت قدم رہے، پھر اگر قتل ہوگیا تو ثواب خود کو برائے قتل پیش کرنے کا ہوا، نہ کہ نفس قتل کا جو اس کے اختیار ہی سے خارج ہے، اور یہی مفہوم ہے آیت کریمہ کا (ترجمہ آیت) اور تم موت کے ملنے سے پہلے ہی موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔ مراد آیت سے یہ ہے کہ تم یوم احد میں اسباب موت (جہاد اور ثبات) کے دیکھنے سے پہلے ہی شہادت فی سبیل اللہ کی تمنا کیا کرتے تھے، اور یہ صحیح ہے کہ انسان اس واسطے قتل ہونے کی دعا کرے کہ اس کو شہداء کے منازل و درجات حاصل ہوں، اس لحاظ سے نہیں کہ قتل اور

گناہ ہیں۔

اور پھر موت تو ایسی اٹل حقیقت ہے کہ جس کا آج تک کوئی انکار نہیں کرسکا، پھر جب ایک دن روانگی طے ہی ہے تو اس تمنا کو دل میں رکھنے کا فائدہ خود معلوم ہوگا کہ انسان بلا کسی تعب ومشقت کے فضیلت شہادت حاصل کرسکتا ہے، نیز شہادت کی خواہش دل میں رکھنے کے بعد ایسی ہمت ہوگی کہ اگر کہیں موقع آگیا تو انشاء اللہ اس کو اس تمنا کے سبب جان نچھاور کرتے ویسا تردد نہ ہوگا جیسا اس شخص کو ہوگا جس کے ذہن میں کبھی اس کا تصور بھی نہیں گذرا ،اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ شہادت کی آرزو وتمنا ضرور کرے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے، اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی شَھَادَۃً فِی سَبِیلِکَ ،وَاجْعَلْ مَوتِی فِی بَلَدِ رَسُولِکَ.(بخاری شریف رقم ۱،۸۹۰/ ۵۰۴)

ترجمہ: اے اللہ! مجھے اپنے راہ میں شہادت نصیب فرما اور میری موت مدینہ منورہ میں مقدر فرما۔

پھر اللہ تعالی نے ان کو شہادت بھی عطا فرمادی ،اور اشرف البقاع یعنی قبر اطہر سے قریب تر ہی ان کو دفن بھی نصیب ہوا، عربی میں نہ سہی اپنی زبان ہی میں یہ دعا مانگی جاسکتی ہے۔

جس مسلمان کو کبھی جہاد وشہادت کا خیال بھی نہ آئے

عَن اَبِی ھُرَیرۃَ رضی اللہ عنہ قال: قال رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: مَن مَاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہ، مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِّنَ النِّفَاقِ.(مسلم ۲/ ۱۴۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس مسلمان نے نہ کبھی جہاد میں شرکت کی، اور نہ ہی اسے کبھی اس کا خیال ہی آیا اور مرگیا، وہ شخص ایک طرح کے نفاق پر مرا۔

فصل ثالث

دفاع میں شہادت

حرمت انسانی

ہر انسان اپنے فطری حق کے مطابق معصوم ومحفوظ ہے، اس کی جان، اس کی آبرو اور اس کا مال سب محفوظ ہیں، بلوغ وشعور تک بلاتفریق ہر ایک اس عصمت میں داخل ہے، پھر اس کے بعد- جب کہ اس کا کسب واختیار معتبر ہوجاتا ہے- اس وقت تک یہ حرمت باقی رہتی ہے جب تک انسان کوئی عمل ناقضِ حرمت نہ کر بیٹھے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَائِیْلَ اَنَّہ مَن قَتَلَ نَفْساً بِغَیرِ نَفْسٍ اَو فَسادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیعاًo وَمَنْ اَحیَاھا فَکاَنَّما اَحیا النَّاسَ جَمِیعاo (المائدہ: ۳۲)

اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے، ایک جان کو بلاعوض جان کے، یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں تو گویا قتل کرڈالا اس نے سب لوگوں کو، اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کردیا سب لوگوں کو۔

اور حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت نبی کریم ﷺ نے خاص طور پر مسلمانوں کی باہمی حرمت کا اعلان ساری انسانیت کے سامنے کیا:

فَاِنَّ دِمَائَکُم وَاَعْرَاضَکُم وَاَمْوالَکُم بَیْنَکُم حَرَامٌ، کَحُرمَۃِ یَومِکُم ھٰذا، فِی شَھرِکُم ھٰذا، فِی بَلَدِکُم ھٰذا.

(صحیح بخاری رقم ۱۷۳۹، ۱/۴۶۸)

لوگوں تمہارے خون تمہاری آبرو اور تمہارے مال تم پر حرام ہیں بالکل اسی طرح جس طرح آج یوم العرفہ کے دن ذی الحجہ کے اس مبارک مہینہ میں اپنے اس مقدس شہر میں (تم ناحق کسی کی جان آبرو اور مال لینا حرام جانتے ہو)۔(معارف الحدیث ۴/ ۲۲۹)

اور یہ اسلامی عطا- احترام وحرمت- اس وقت تک قائم ہے جب تک کوئی کلمہ ہی کی حق تلفی نہ کرے۔

وَ قَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، فَمَنْ قَالَھَا عَصَمَ مِنِّی مَالَہٗ وَ نَفْسَہٗ اِلَّا بِحَقِّہٖ، وَ حِسَابُہٗ عَلَی اللہِ.

(بخاری شریف رقم: ۱۳۹۹، ۱/ ۳۷۷)

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے حکم ہے کہ اس وقت تک قتال کروں جب تک لوگ کلمہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں، اور جس نے یہ کلمہ کہہ لیا اس نے اپنی جان ومال محفوظ کرلی، ہاں مگر (کسی ممنوع کے ارتکاب کرنے سے اس کی حرمت مباح) کلمہ ہی کی بنیاد پر ہو (تو مسلمان ہو کر بھی اس سے بدلہ لیا جائے گا)، اور اس کا اصلی حساب تو اللہ تعالی لیں گے۔

سوالبِ حرمت

وہ امور جن سے مسلمان کی بھی حرمت ختم ہو جاتی ہے یہ ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ: لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ یَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ، اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ، اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّیِّبُ الزَّانِی، وَالْمُفَارِقُ لِدِیْنِہٖ التَّارِکُ لِلْجَمَاعَۃِ.

(بخاری شریف: رقم: ۶۸۷۸، ۴/ ۱۹۱۵)

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دینے والے کا خون اس وقت تک حلال نہیں جب تک اس سے تین میں سے کسی ایک حرکت کا صدور نہ ہو، (۱) ناحق قتل (۲) یا شادی کرلینے کے بعد زنا کرنا (۳) یا دین ہی سے پھر جانا اور بغاوت کرنا۔

جب تک ان باتوں میں سے کسی بات کا صدور نہ ہوا ہو اس وقت تک مسلمان کی جان معصوم ہے، اس کی آبرو معصوم ہے، اس کا مال معصوم ہے، کسی کے لئے ان سے تعرض جائز نہیں۔

مال کا دفاع

عنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّهُ قَالَ: جَاءَ رَجُل اِلٰی النَّبِیِّ ﷺ فَقَال: یَارَسُولَ اللہ! اَرَأَیْتَ اِنْ جَاءَ رَجُل یُرِیْدُ اَخْذَ مَالِی؟ فَقَالَ لَا تُعْطِهِ، قَالَ: فَاِنْ قَاتَلَنِی؟ قَال: قَاتِلْهُ، قَالَ: اَرَأَیْتَ اِنْ قَتَلَنِیْ؟ قَالَ: فَاَنْتَ شَهِیْد، قَالَ: اَرَأَیْتَ اِنْ قَتَلْتُهُ؟، قَال: هُوَ فِی النَّارِ (مسلم شریف ۱/ ۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا میرے لئے کیا حکم ہے اگر کوئی مجھ سے میرا مال چھیننے کے لئے آئے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کو لینے مت دو، پھر پوچھا اگر وہ مجھ سے لڑنے لگے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس سے حق پر لڑو، پھر پوچھا اگر وہ مجھے قتل کر دے؟ فرمایا: تم شہید ہوگے، پوچھا کہ اگر وہ مجھ سے ہوگیا؟ فرمایا: وہ جہنم میں ہے۔

ایک دوسری حدیث میں اس طرح آیا ہے:

عَن عَبْدِاللہِ بنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہِ ﷺ: مَن اُرِیدَ مَالُهُ

بِغَيْرِ حَقٍ، فَقَاتَلَ فَقُتِلَ فَهُوَ شَهِيْد. (ترمذی ۱/ ۲۶۱، ابو داود، نسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کا مال ناحق چھینا جائے، اور وہ شخص اس کی حفاظت کرتے قتل کر دیا جائے تو وہ شہید ہے۔

اس حدیث پاک کی تخریج کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

وقد رخص بعض اهل العلم للرجل أن يقاتل عن نفسه وماله وقال ابن المبارك: يقاتل عن ماله ولو درهمين.

(ترمذی ۱/ ۲۶۱)

ترجمہ: بعض علماء نے مال کے دفاع کی اجازت دی ہے، لیکن عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اپنے مال کی طرف سے دفاع کرے اگرچہ اس کے پاس دو درہم ہی ہوں۔

فائدہ: مراد یہ ہے کہ کم کی مقدار زیادہ ہونا ضروری نہیں، بلکہ تھوڑے مال کا بھی دفاع کرنا چاہئے۔

فقہاء حنفیہ کے اقوال مال کے دفاع میں یہ ہیں:

وفي الصغرى: قصد ماله ان عشرة او اكثر له قتله، وان اقل قاتله ولم يقتله. قال الشامي: يريد به تقييد ما اطلقه المتون والشروح مع انها لاتقيد بما في الفتاوى. قال الماتن (التمرتاشي صاحب تنوير الابصار) في آخر قطع الطريق: ويجوز ان يقاتل دون ماله وان لم يبلغ نصابا ويقتل من يقاتل عليه. قال في المنح عن البحر: استقبله اللصوص ومعه مال لا يساوي عشرة حل له ان يقاتلهم، لقوله ﷺ "قاتل دون مالك" واسم المال يقع على القليل

و الکثیر .سائحانی. (ردالمحتار علی الدرالمختار ۱۰ / ۱۹۲)

ترجمہ: فتاویٰ صغریٰ میں ہے کہ اگر کسی کے مال پر حملہ ہوا، اور مالیت دس درہم (تقریباً ۶۱۸ء۳۰ گرام چاندی کی قیمت) کے مساوی ہے، یا اس سے زیادہ ہے، تو مال بچانے میں قتل کرڈالے تب بھی گنجائش ہے، اور اگر دس درہم سے کم ہے تو صرف لڑسکتا ہے، قتال جائز نہیں۔

شامی کہتے ہیں: صاحب فتاوی صغری متون اور شروح کے اطلاق پر دس درہم کی قید لگا رہے ہیں (کہ متون اور شروح میں دس درہم اور اس سے کم میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، دونوں میں قتال جائز ہے۔) حالانکہ فتاوی سے متون وشروح کی تقیید درست نہیں۔ ماتن علامہ تمرتاشی نے باب قطع الطریق کے آخر میں تحریر کیا ہے: اپنے مال کے دفاع میں لڑنا اور قتل تک جائز ہے، اگر چہ اس کی رقم دس درہم کے مساوی نہ ہو (الدرالمختار ۶ / ۱۹۰)، منح میں بحرالرائق سے نقل کیا ہے: کسی شخص کو چوروں نے گھیر لیا اور اس کے پاس مال دس درہم سے کم ہی ہے، ایسے شخص کے لئے ان چوروں سے دفاع جائز ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اپنے مال کے لئے لڑو، کیونکہ کم اور زیادہ، مال تو مال ہی ہے۔

اور یہ حکم مال جیسی چیز کے لئے ہے جس بارے میں کہا جاتا ہے ''المال غادٍ وراحٍ'' یعنی مال تو صبح شام آتے جاتے رہنے والی چیز ہے، اور یہ تک کہا جاتا ہے کہ مال تو ہاتھ کی میل کی طرح ہے کہ جب ہاتھ رگڑو تو نکلنے لگتا ہے، نیز مال کی حیثیت یہ ہے کہ صاحب مال اگر دوسرے کے حق میں خوشی سے دستبردار ہونا قبول کرلے تو دوسرے کے لئے مباح بھی ہوسکتا ہے، غرض کہ اس میں حلت کا پہلو ممکن ہے ناممکن نہیں، بایں ہمہ اس کے دفاع کی یہ حد بیان کی گئی ہے۔

جان کا دفاع

جان وآبرو کا معاملہ مال سے جداگانہ ہے، مال انسان کے کسب کا ثمرہ ونتیجہ ہے، اور جان وآبرو میں انسانی کسب کو ادنی بھی دخل نہیں، انسان مال کما سکتا ہے، عزت وآبرو انسان کے اختیار میں نہیں کہ اگر چلی جائے تو کما دھما کر دوبارہ حاصل کرسکے، چنانچہ ارشاد ہے:

عَن سَعِيدِبنِ زَيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :مَن قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيد،مَن قُتِلَ دُونَ دِينِهٖ فَهُوَ شَهِيد ،وَمَن قُتِلَ دُونَ دَمِهٖ فَهُوَ شَهِيد،وَمَنْ قُتِلَ دون اَهْلِهٖ فَهُوَ شَهِيد.(الترمذی ۱/ ۲۶۱)

حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے مال کے حق میں لڑے اور مار دیا جائے وہ شہید ہے، جو شخص اپنے دین کی حمایت میں قتل کردیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت میں قتل کردیا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے گھر والی کی آبرو کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔

(یہ حدیث متواتر ہے، قال الشیخ محمد عوامہ: والحدیث متواتر، ذکرہ السید الکتانی فی کتابہ "نظم المتناثر" ص ۹۶، وذکر لہ خمسۃ عشر صحابیا سوی سعید بن زید، تحقیق مصنف ابن ابی شیبہ للشیخ ۱۴/ ۳۴۷، وایضاً فیض القدیر للمناوی ۶/ ۲۵۳)

فائدہ: اس حدیث پاک میں اپنے دین، جان، آبرو اور مال کی حفاظت میں مارا جانے والے شخص کو شہید قرار دیا گیا ہے، جس سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان پر جس طرح خود اپنا احترام لازم ہے کہ وہ خودکشی نہیں کرسکتا، مال وآبرو کا بیجا استعمال (اسراف وزنا) نہیں کرسکتا، اسی طرح کسی دوسرے کے لئے بھی ان چیزوں کو مباح نہیں کرسکتا، اس کو ان حرمتوں کی حفاظت کرنا لازم ہے، حتی کہ اگر اس میں وہ مار دیا جائے تو شہادت کا درجہ رکھتا ہے۔

مذاہب ائمہ

اپنی جان کی تحفظ اور دفاع کی کیا حیثیت ہے، اس سلسلے میں علماء وفقہاء کے اقوال و مذاہب اس طرح ہیں:

حنفیہ کا مذہب

ومن شهر سيفا على المسلمين فعليهم ان يقتلوه ،لقوله ﷺ عليه السلام: من شهر على المسلمين سيفا فقد اطل دمه ،ولانه باغ فتسقط عصمته ببغيه ،ولانه تعين طريقالدفع القتل عن نفسه فله قتله، وقوله:"عليهم" وقول محمد فى الجامع الصغير: "فحق على المسلمين ان يقتلوه" اشارة الى الوجوب، والمعنى وجوب دفع الضرر. (الہدایہ ۴/ ۵٦۷، مجمع الانہر والدرالمنتقیٰ ۴/ ۳۲۰)

ترجمہ: جوشخص (مسلمان ہو یا کافر) مسلمانوں پر تلوار نکال لے تو ان پر واجب ہے کہ اس کو قتل کر دیں، حضور ﷺ کا ارشاد ہے: جس شخص نے مسلمان پر تلوار سونتی اس کا قتل مباح ہے، اور اس وجہ سے کہ وہ (دوسرے مسلمان کے امن کی پامالی کا ارتکاب کر کے) باغی ہوگیا ہے، لہٰذا بغاوت سے اس کا امان جاتا رہا، اور جب قتل کے بغیر چھٹکارا نہیں تو قتل بھی جائز ٹھہرا، امام قدوری کا قول: "ان پر لازم ہے"، اور امام محمدؒ کا قول جامع الصغیر میں: "مسلمانوں پر اس اقدام قتل کرنے والے کا قتل واجب ہے" ان دونوں جملوں سے دفاع کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا دفاع کر کے کسی بھی طرح جان بچانا فرض ہے، (قتل فرض نہیں)۔

ومن شهر سيفا على المسلمين فعليهم ان يقتلوه،يعنى فى الحال، نص عليه ابن الكمال ،حيث غير عبارة الوقاية: ويجب دفع من

شھر سیفا علی المسلمین ولو بقتله ان لم یمکن دفع ضررہ الابه. صرح به فی الکفایة :ای لانه من باب دفع الصائل، صرح به الشمنی وغیرہ.(الدرالمختار ۱۰/ ۱۹۱)

ترجمہ: مسلمانوں پر اس شخص کا قتل واجب ہے جو مسلمان پر تلوار نکال لے، مراد یہ ہے کہ عین حملہ کے وقت (اگر اس نے ہتھیار چھوڑ دیا تو یہ حکم نہیں)، علامہ ابن کمال نے اس کی صراحت کی ہے اور وقایہ کی عبارت بدل کر یوں کہا ہے: مسلمان پر ہتھیار نکالنے والے کو روکنا فرض ہے اگر چہ اس کو قتل ہی کرنا پڑ جائے۔ اور اسی بات کی صراحت کفایہ میں بھی ہے؛ اس لئے کہ یہ حملہ آور کو روکنا ہے (جو بہر حال ضروری ہے) شمنی وغیرہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔

مالکیہ حنفیہ کا مذہب یکساں ہے

فذھب الحنفیة -وھو الاصح عند المالکیة- الی وجوب الدفع علی النفس وما دونھا ولا فرق بین ان یکون الصائل کافرا او مسلما، عاقلا او مجنونا، بالغا او صغیرا، معصوم الدم او غیر معصوم الدم، آدمیا او غیرہ.استدل اصحاب ھذا الرای بقوله تعالی (وَلاَ تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلٰی التَّھْلُکَةِ)

(۱)فالاستسلام للصائل القاء بالنفس للتھلکة،لھذا کان الدفاع عنھا واجبا، ولقوله تعالی (وَقَاتِلُوھُم حَتّٰی لَا تَکُونَ فِتْنَة)(۲)ولقوله ﷺ (مَن قُتِلَ دُونَ دَمِهِ فَھُوَ شَھِیْد)(۳)قوله ﷺ (مَنْ اَشارَ بِحَدِیْدَةٍ إلٰی أحدٍ مِّن الْمُسْلِمِینَ -یُرِیدُ قَتلَهٗ- فَقَدوَجَبَ دَمُهٗ)،(۴)ولانه کما یحرم علی المصول علیه قتل نفسه، یحرم علیه اباحة قتلھا، ولانه قدر علی احیاء نفسه فوجب علیه فعل ذلک، کالمضطر لاکل المیتة ونحوھا.(الموسوعة الفقھیه مادة: صیال ۲۸/ ۱۰۳)

ترجمہ: حنفیہ کا مذہب یہ ہے- اور یہی مالکیہ کا اصح قول- کہ جان پر ہونے والے حملہ، اسی طرح کسی انسانی عضو پر تعدی کئے جانے پر اپنا بچ بچاؤ اور تحفظ کرنا واجب ہے، زیادتی کرنے والا ظالم مسلمان ہو یا کافر، ہوشمند ہو یا مجنون، بالغ ہو یا نابالغ، معصوم الدم ہو یا غیر معصوم الدم، انسان ہو یا کوئی جانور وغیرہ۔ ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے، ترجمہ: اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ (۱) تو حملہ کرنے والے کے آگے تسلیم ہو جانا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، اسی لئے جان کا تحفظ واجب ہے، اور یہ بھی آیت کریمہ ہے، ترجمہ: ان سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ فرو ہو جائے۔ (۲) اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے، (۳) آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جس شخص نے کسی مسلمان کی طرف لوہے سے قتل کا ارادہ کرتے اشارہ کیا ایسے شخص کا دم واجب ہے، (۴) اور اس لئے کہ جس طرح انسان کے لئے خود کشی حرام ہے اسی طرح سے یہ بھی حرام ہے کہ کسی اور سے اپنے قتل کو روا رکھے، اپنا تحفظ نہ کرے، نیز یہ بھی وجہ ہے کہ وہ شخص دفاع کر کے اپنی حیات کے بقا پر قادر رہے، تو اس پر یہ ابقاء واجب ٹھہرا، جیسے کوئی بھوک سے بیتاب ،قریب المرگ ہو، اور اس کے پاس کوئی حلال غذا نہ ہو تو اس کو مردار، خنزیر وغیرہ کوئی بھی چیز کھا کر جان بچانا فرض ہے۔

شوافع کے جان کے دفاع کی بابت تین اقوال ہیں:

وذهب الشافعية الى انه ان كان الصائل كافرا والمصول عليه مسلما وجب الدفاع، سواء كان هذا الكافر معصوما اوغير معصوم، اذ غير المعصوم بطلت حرمته بصياله ،ولان الاستسلام للكافر ذل فى الدين ،وفى حكمه كل مهدور الدم من المسلمين ،كالزانى المحصن، ومن تحتم قتله فى قطع الطريق ونحو ذلک من الجنايات، كما يجب دفع البهيمة الصائلة،لانها تذبح لاستبقاء

الآدمی، فلاوجه للاستسلام لها ومثلها ماسقطت جرةونحوها علی الانسان، ولم تندفع عنه الا بکسرها. واما ان کان الصائل مسلما غیر مهدور الدم فلایجب دفعه فی الاظهر، بل یجوز الاستسلام له، سواء کان الصائل صبیا اومجنونا ،وسواء امکن دفعه بغیر قتله او لم یمکن، بل قال بعضهم :یسن الاستسلام لقوله ﷺ(کُنْ کَابْنِ آدَمَ)،یعنی هابیل (ترمذی)ولما ورد (عن الاَحنَفِ بنِ قَیسٍ رضی الله عنه قَالَ: خَرَجْتُ لَیَالِیَ فِتنَةٍ، فَاسْتَقْبَلَنِی اَبُو بَکْرَةَ رضی الله عنه،فَقَالَ اَیْنَ تُرِیدُ؟قُلتُ :اُرِیْدُ نُصْرَةَ ابنَ عَمِّ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ،قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَیْفَیْهِمَا فَکِلاهُمَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ ،قِیْلَ :فَهٰذا القَاتِلُ ،فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ؟قَالَ:اِنَّه اَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهٖ)(بخاری)ولان عثمان رضی الله عنه ترک القتال مع امکانه ومع علمه بانهم یریدون نفسه ومنع حراسه من الدفاع عنه -وکانوااربعمائة یوم الدار-وقال رضی الله عنه:من القی سلاحه فهو حر،واستشهر ذلک فی الصحابةرضی الله عنهم فلم ینکر علیه احد. ومقابل الاظهر عند الشافعیة:انه یجب دفع الصائل مطلقا ،ای سواء کان کافرا او مسلما، معصوم الدم او غیر معصوم الدم،آدمیا او غیر آدمی،لقوله تعالی:(وَلَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ).

وفی قول ثالث عندهم: انه ان کان الصائل مجنونااو صبیا فلایجوز الاستسلام لهما؛ لانهما لا اثم علیهما کالبهیمة.

(الموسوعۃ مادہ: صیال، ۲۸ / ۱۰۴)

ترجمہ: شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر حملہ آور کافر ہے اور جس پر حملہ ہوا وہ مسلمان تو دفاع واجب ہے،خواہ یہ کافر معصوم الدم ہو (جیسے ذمی) یا نہ ہو (جیسے حربی)،اس

لئے کہ غیر معصوم کی تو حرمت ہے ہی نہیں، اور معصوم الدم کی حرمت حملہ کی وجہ کی ختم ہوگئی، نیز یہ کہ کافر کے آگے تسلیم ہونے اور جھکنے میں دین اسلام کی تذلیل ہے۔ اور کافر ہی کے حکم میں ہر وہ مسلمان شخص ہے جو مباح الدم ہو، جیسے زانی محصن، مرتد، ایسے ہی وہ شخص جسے ڈکیتی یا قتل کی پاداش میں قتل کی سزا طے ہو چکی ہے۔ جانور اگر حملہ کر دے تو اس کا بھی دفاع واجب ہے؛ کیونکہ وہ خود انسانی بقا، کھانے پینے کے لئے ذبح کیا جاتا ہے وہاں بھی تسلیم کرنے کا جواز نہیں، ایسے ہی کوئی گھڑا کسی پر گر پڑا، اور بلا اس کے توڑے جان نہ بچ سکے، تو اس کا توڑنا بھی ضروری ہے، اگر حملہ آور مسلمان، غیر مباح الدم ہے تو (شافعیہ کے یہاں تین قول ہیں) اظہر یہ ہے کہ اس کا دفاع واجب نہیں ہے اس سے تسلیم کرنا بھی جائز ہے، خواہ حملہ آور مسلمان کوئی بچہ ہو یا مجنون، اور اس کا دفاع بلا قتل ممکن ہو یا نہ۔

بلکہ بعض علماء کے نزدیک قتل کے واسطے تسلیم ہونا مسنون ہے، ارشاد نبوی ہے، ترجمہ: حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل کی طرح ہو جاؤ (یعنی قاتل نہ بنو، مقتول ہو جاؤ)، اور یہ بھی دلیل ہے کہ حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہتے ہیں: میں ایام فتنہ میں ایک رات ہتھیار لے نکلا تو مجھے حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ ملے، پوچھنے لگے کہاں جا رہے ہو؟ حضرت احنف نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زادے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کا ارادہ ہے، تو حضرت ابو بکرۃ نے ایک حدیث سنائی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب دو مسلمان اپنے اپنے ہتھیار لے کر ایک دوسرے سے لڑیں اور کوئی قتل ہو گیا، تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں، صحابہؓ نے عرض کیا قاتل کا جرم تو ظاہر ہے، لیکن مقتول کا کیا قصور؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس لئے کہ یہ بھی دوسرے کے قتل کے ارادہ سے نکلا تھا (بخاری)، اور اس لئے بھی کہ حضرت عثمانؓ نے

اپنے اوپر حملہ کرنے والوں سے کوئی دفاعی قتال نہیں کیا، جب کہ ان کو علم تھا کہ یہ لوگ ان کے قتل کے ارادہ سے آئیں ہیں، انہوں نے اپنے محافظوں کو بھی دفاع سے منع کرادیا تھا- اس دن وہاں چارسو آدمی تھے- اور آپ نے اعلان کرایا: جو اپنے ہتھیار ڈال دے وہ آزاد ہے، پھر یہ بات صحابہ میں مشہور بھی ہوئی، لیکن اس ترکِ دفاع پر کسی صحابی نے ان پر نکیر نہ کی۔

اظہر کے بالمقابل دوسرا قول شافعیہ کا یہ ہے مطلقاً حملہ آور سے دفاع واجب ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، معصوم الدم ہو یا نہ ہو، انسان ہو یا جانور، اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے، ترجمہ: اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

تیسرا قول شافعیہ کا یہ ہے کہ اگر حملہ آور مجنون یا بچہ ہے تو اس کے آگے تسلیم ہونا جائز نہیں (مکلف یعنی عاقل و بالغ سے جائز ہے)؛ اس لئے کہ مجنون اور بچہ پر کوئی گناہ نہیں ہوتا، (اور مکلف اگر قتل کرے تو گناہ ہوگا اور اس تسلیم سے یہی مقصود ہے کہ خود ارادہ قتل کے گناہ میں مبتلا نہ ہو، بلکہ دوسرے کو قتل کر کے گناہ گار ہونے دے) جیسے جانور، کہ وہ بھی قتل کرے تو اس کو کوئی گناہ نہیں ہوجاتا۔

مذاہب ائمہ پر نظر ڈالنے سے مجموعی طور پر یہ چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

الف: حملہ آور کافر اور جانور ہو تو اپنا دفاع ہر ایک کے نزدیک فرض ہے، کیونکہ اس میں منجملہ اور باتوں کے دین کی تذلیل ہے۔

ب: اگر ناحق جان پر حملہ ہو تو حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں بہرحال دفاع فرض ہے۔

ج: شافعیہ کے یہاں تفصیلی طور پر تین صورتیں ہیں: (١) قاتل اگر مسلمان معصوم الدم ہے تو قتل ہوجانا جائز ہے، (٢) اپنا دفاع فرض ہے، خواہ حملہ آور کوئی ہو مسلمان معصوم الدم یا غیر معصوم الدم، (٣) اگر حملہ آور بچہ یا مجنون، یعنی غیر مکلف ہے تو دفاع فرض ہے۔

ایک مضمون حدیث سے اشکال وتطبیق

لیکن یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ جب قتل کا ارادہ کرنے والا مسلمان ہے تو استسلام جائز ہے، یہ عام احوال میں نہیں، بلکہ اس صورت حال میں ہے جبکہ مسلمانوں میں سیاسی انتشار ہو اور ہر ایک حکومت ہتھیانے کا خواہش مند ہو، جس کے نتیجہ میں قتل وغارت اور جنگیں ہوں تو عام مسلمان کے لئے سب سے بہتر راستہ یہ ہے کہ وہ ہر جماعت سے علیحدہ ہو جائے اور اگر کوئی مسلمان اسے قتل کرنا چاہے تو خود قتل ہو جائے، کہ اس کا گناہ تو دوسرے پر ہوگا اور یہ شخص دوسرے کو قتل کرنے کے گناہ سے محفوظ رہے گا۔

جیسا کہ احادیث میں وارد ہے:

اِنَّ سَعدَ بْنَ اَبِی وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ قَالَ عِندَ فِتْنَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّان رضی اللہ عنہ: اَشْهَدُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :اِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَة،تَكُونُ قَاعِدٌ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ،وَالقَائِمُ خَيْرٌمِّنَ الْمَاشِى،اَلْمَاشِى خَيرٌ مِّنَ السَّاعِى،قَالَ:اَفَرَأَيتَ اِنْ دَخلَ عَلٰى بَيْتِىْ وَبَسطَ يَدَهُ اِلَىَّ لِيَقْتُلَنِى؟قَالَ: كُنْ كَابْنِ آدَمَ علیہ السلام.(ترمذی ٢ / ٤٣)

حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: عنقریب ایک فتنہ ہوگا جس میں بیٹھنے والا (فتنہ کے لئے) کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا ہونے والا (فتنہ پھیلانے کے لئے) چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا دوڑنے والے سے اچھا ہوگا کسی نے عرض کیا: اگر کوئی میرے گھر گھس آئے اور مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائے؟ فرمایا: حضرت آدم کے بیٹے (ہابیل) کی طرح (قتل) ہو جاؤ۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بن مَسعُودٍ رضی اللہ عنہ قال :سَمِعتُ رَسولَ اللّٰه ﷺ يَقولُ :

تَکونُ فِتنَۃٌ، النَّائِمُ فِیھا خَیر مِّنَ الْمُضْطَجِعِ، و الْمُضطَجِعُ خَیرٌ مِّنَ القَاعِدِ، وَالقاعِدُ خَیرمِّن القَائِم ، والقَائِم خَیرمِّنَ المَاشِی، والمَاشی خَیرمن السَّاعِی ، قَتلاھا کُلُّھَا فِی النَّارِ، قال :قُلت : و مَتٰی ذَاکَ یارَسولَ اللہ ؟قال: ذلک اَیَّامَ الھَرَجِ ، قُلت :ومَتٰی اَیَّام الْھَرج ؟قال: حِینَ لَایَامَنُ الرَّجُلُ جَلِیسَہٗ ، قال:قلت: فَبِمَ تامُرُنِی اِنْ اَدرَکتُ ذٰلک؟قال :اُدخُلْ بَیْتَکَ، قلتُ :اَفرأَیْتَ اِن دُخِلَ عَلَیَّ ؟قال:تُوَالِی مَخْدَعَکَ، قال :قُلتُ :اَفَرَأَیْتَ اِن دُخِلَ عَلَیَّ ؟قَال :قُل ھٰکَذا، وقُل :بُؤْ، بِاِثْمِی واِثْمِکَ ،وَکُنْ عَبْدَاللہ الْمَقْتُول.(مصنف ابن ابی شیبہ ٣٨٥٨٤، ٢١/ ١٧٦)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک فتنہ ہوگا جس میں سونے والا (یعنی بے خبر) لیٹنے والے سے اچھا ہوگا، اور لیٹنے والا بیٹھنے والے سے اچھا ہوگا، اور بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا دوڑنے سے بہتر ہوگا، اس میں قتل ہونے والے سب کے سب جہنم میں جائیں گے، حضرت عبداللہ نے عرض کیا ایسا کب ہوگا؟ ارشاد فرمایا ''ایام ھرج'' میں، انہوں نے پھر پوچھا ایام ھرج کب ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدمی اپنے ہمنشیں اور ساتھی سے بھی مامون نہ رہ جائے، کہتے ہیں میں نے پھر عرض کیا: اگر مجھ پر وہ وقت آپڑا تو میرے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا: اپنے گھر میں داخل ہوجاؤ، میں نے عرض کیا: اگر وہ ظالم گھر میں گھس آئے؟ فرمایا: گھر کی کوٹھری میں چلے جاؤ، میں عرض کیا: اگر وہ وہاں آپہنچا؟ فرمایا: اس طرح (ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلیم- جیسا کہ دوسری رویت میں ہے-) ہوجاؤ اور کہہ

دو: اپنے ومیرے گناہ ہمراہ لئے جاؤ، اور اللہ کے مقتول بندے ہو جاؤ (قاتل نہ بنو)۔

مسند احمد کی روایت میں ہے (فَاجْثُ عَلٰی رُکْبَتَیْکَ) یعنی اپنے گھٹنے ٹیک کر کہو۔

علامہ ابو محمد حسین بن مسعود المعروف بامام بغویؒ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ استسلام کی صورت کا حکم احادیث میں اس موقع پر ہے جہاں مسلمان مسلمان میں جنگ ہو اور سیاسی ہوس ہو:

وذهب قوم الى ان الواجب عليه الاستسلام وكرهوا له ان يقاتل عن نفسه، متمسكين باحاديث وردت فى ترك القتال فى الفتن، وليس هذا من ذلك فى شىء، انما هذا فى قتال اللصوص وقطاع الطرق والساعين فى الارض بالفساد، ففى الانقياد لهم ظهور الفساد فى الارض واجتراء اهل الطغيان على العدوان، وتلك الاحاديث فى قتال القوم على طلب الملك، فعلى المرء المسلم ان يكون فى ذلك الزمان حِلس بيته ويعتزل تلك الفرق كلها، ليسلم دينه، والله اعلم. (شرح السنۃ ۱۰/ ۲۵۹)

ترجمہ: علماء کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ (دفاع نہیں) بلکہ استسلام واجب ہے، اور ان کے نزدیک اپنا دفاع کرنا مکروہ ہے، چنانچہ ان کا استدلال ان روایات سے ہے جو بین المسلمین فتنوں کے موقعوں کی بابت وارد ہوئی ہیں، لیکن اس مسئلہ کا اُن احادیث سے تو کوئی تعلق ہی نہیں، یہ (دفاع کے وجوب اور شہادت کا مسئلہ) تو چور، اچکوں اور ڈاکوؤں، نیز روئے زمین میں فساد بپا کرنے والوں کے بارے میں ہے، کیونکہ ان کے آگے استسلام وتسلیم ہوتے رہنے سے روئے زمین میں مزید بدامنی پھیلے گی، اور (اس طرح

ڈر پوک بنے رہنے سے تو) انسانیت کے دشمنوں کی ظلم پر مزید جرات ہوگی، اور وہ احادیث تو حکومت اور عہدہ کی جنگ کے بارے میں ہے، وہاں البتہ انسان پر لازم ہے کہ اپنے گھر کا ٹاٹ بن جائے (کہ کسی فریق کی حمایت یا مخالفت نہ کرے)، اور ان تمام ہی جماعتوں سے علیحدہ ہوکر اپنے دین کی حفاظت کرے۔

تو جان کا معاملہ یہ ہے کہ انسان پر اپنی جان کی حفاظت واجب اور ضروری ہے، اس سے دفاع کرنا چاہئے، اور بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ ان میں دفاع نہیں، لیکن وہ اس لئے نہیں کہ انسانی حرمت ختم ہوگئی، بلکہ اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ مقتول ہی خود قاتل بن جائے، تاہم عام احوال میں ہر مسلمان پر اپنا دفاع فرض ہے۔

آبرو کا دفاع

جان ہی کے مثل انسانی آبرو کی حرمت ہے، کہ کسی انسان کے لئے کسی وقت بھی حلال نہیں ہوتی، اس کی حلت کی سوائے نکاح کوئی سبیل نہیں، اس لئے آبرو پر ہونے والی زیادتی کا کسی حال میں جواز ہی نہیں بنتا، خواہ وہ آبرو اپنی کسی محرم کی ہو یا مسلمان ہی کسی اجنبی عورت کی، اور وہ ظالم مسلمان یا کوئی دوسرا، مسلمان پر اس کی حفاظت فرض اور ضروری ہے، اسی طرح خود عورت کے لئے ضروری ہے کہ اپنا دفاع کرے اور اپنی آبرو بچائے، اور اگر اس میں ظالم کی جان بھی چلی گئی تو اس کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔

وامّا المدافعة عن الحريم فواجبة بلا خلاف. (شرح مسلم للنووی ۱/۸۱)

گھر والوں کی آبرو سے دفاع بہر صورت بلا کسی اختلاف فرض ہے۔

الا ان الفقهاء يفرقون في وجوب الدفع والقتال بين محاولة العدوان على النفس او العِرض او المال، فبالنسبة للعدوان على العرض، فان الفقهاء يتفقون على وجوب دفع المعتدى على العِرض بكل ما

يمكن دفعه به ولو بالقتال،لان العرض لا يجوز اباحته ،قال الامام احمد في امرأة ارادها رجل عن نفسها فقتلته لتدفع عن نفسها : لا شئ عليها.(الموسوعة،مادة القتال ۳۲/ ۳۱۹)

ترجمہ: (جان ،آبرو اور مال سب سے دفاع ضروری ہے لیکن)فقہاء نے تینوں کے دفاع کی وجوبیت میں فرق کیا ہے،آبرو پر زیادتی کے سلسلے میں یہ ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ آبرو پر ہونے والے زیادتی کا دفاع ہر حال میں فرض ہے، جس طرح سے بھی ممکن ہو اگر چہ مقاتلہ ہی کرنا پڑ جائے،اس لئے کہ آبرو کی اباحت کی کوئی شکل نہیں،کسی عورت نے خود پر زیادتی کرنے والے کو اگر مار ڈالا،تو امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس عورت پر کوئی گناہ یا سزا نہیں۔

اتفق الفقهاء على ان الدفاع عن العرض بمعنى البضع واجب فياثم الانسان بتركه قال الخطيب الشربيني :لانه لا سبيل الى اباحته ، وسواء بضع اهله او بضع غيره ومثل البضع مقدماته.(الموسوعة مادہ : عرض ۳۰/ ۵۲)

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ آبرو کا دفاع بہرحال فرض ہے، اگر دفاع نہ کیا تو گناہ گار ہوگا ،خطیب شربینی کہتے ہیں : وجہ یہ ہے کہ اس کے مباح ہونے کی سوائے نکاح کوئی سبیل نہیں ،خواہ وہ عورت اپنی محرم ہو یا نہ ہو،اور آبرو ہی کے حکم میں مقدمات آبرو ہیں (یعنی چھیڑ خانی کرنے پر بھی دفاع ضروری ہے)۔

التعدى على الأعراض حرام:لان الاعراض يجب ان تصان من الدنس، وقد اباح الاسلامُ دمَ من اعتدى على العرض ،لان حفظ الاعراض من مقاصد الشريعة،قال عليه السلام :(مَنْ قُتِلَ دُونَ اَهْلِهٖ

فَهُوَ شَهِيد)،وجه الدلالة فی هذالحديث الشريف انه لما جعله شهيداً، دل ان له القتل و القتال، و ان الدفاع عن العرض واجب؛ لانه لاسبيل الی اباحته ،وسواء فی ذلک بضع زوجته اوغيره ،مثل الدفاع عن البضع: الدفاع عن مقدماته كالقبلة وغيرها.

(الموسوعۃ مادہ: التعدی ۱۲/ ۱۷۲، ایضا ۲۸/ ۱۰۹)

ترجمہ: آبرو پر دست درازی حرام ہے، آبرو کو بے آبرو ہونے سے بچانا فرض ہے، حتیٰ کہ آبرو پر دست درازی کرنے والے کو مباح الدم قرار دیا ہے، آبرو کا تحفظ شریعت کے اہم مقاصد میں سے ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جو شخص اپنی گھر والی کی آبرو بچاتے مارا گیا وہ شہید ہے“، اس حدیث پاک سے وجوب دفاع اس طرح پتہ چلتا ہے کہ جب مرنے والے کو شہید قرار دیا ہے (اور شہادت وہاں ہوتی ہے جہاں لڑنے کی اجازت ہو) تو معلوم ہوا کہ دفاع کے لئے قتل وقتال کی بھی گنجائش ہے، اور یہ کہ آبرو سے دفاع فرض ہے، کہ اس کے حلال ہونے کی (سوائے نکاح) کوئی صورت نہیں، اور خواہ وہ اپنی گھر والی کی آبرو کا دفاع ہو یا کسی دوسری عورت کی آبرو کا دفاع، اور آبرو ہی کے حکم میں اس کے پیشیں احوال کا حکم ہے، جیسے بوسہ لینا، یا گلے لگانا (یہ بھی حرام ہیں، ان سے بھی دفاع فرض ہے)۔

دوسرے مسلمان کا دفاع

جس طرح انسان پر اپنی حفاظت کی ذمہ داری ہے، اسی طرح اس بات کی ذمہ داری ہے کہ اپنے گھر والوں کی حفاظت کرے، یا مسلمان جو کمزور ومظلوم ہے اس کا بھی دفاع وتحفظ کرے۔

حضرت امام بخاریؒ نے کتاب المظالم میں حدیث پاک نقل کی ہے:

اِنَّ عَبدَاللّٰہِ بنَ عُمرَ رضی اللہ عنہ اَخبرَ: اَنَّ رَسولَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اَلْمُسلِمُ اَخُو

الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُه وَ لَا یُسْلِمُه. الخ (بخاری ۲۴۴۲، ۲/ ۶۵۱)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو یہ خود اس پر ظلم کرتا ہے، اور نہ ہی اس کو (بلا خیر خبر اپنی حالت پر) چھوڑ دیتا ہے۔

اس پر کلام کرتے ہوئے علامہ بدر الدین العینیؒ نے مسلمان بھائی کے دفاع کو بیان کیا ہے:

قوله: (لایظلمه) نفی بمعنی الامر و هو من باب التاکید، لان ظلم المسلم للمسلم حرام، قوله: (ولا یسلمه) و قد فسرناه الاٰن، و زاد الطبرانی فی روایته عن سالم: و لا یسلمه فی مصیبة، قال ابن التین: لا یظلمه فرض، و لایسلمه مستحب، و ظاهر کلام الداؤدی انه کظلمه، قال و فیه تفصیل: الوجوب اذا فجئه عدو و شبه ذلک، و الاستحباب فیما کان من اعانة فی شی من الدنیا، و قال ابن بطال: نصر المظلوم فرض کفایة و تتعین فرضیته علی السلطان، قلت: الوجوب و الاستحباب بحسب اختلاف الاحوال.

(عمدۃ القاری ۱۲/ ۲۸۹، ایضاً ۲۹۰)

ترجمہ: ”ظلم نہیں کرتا“ جملہ منفیہ ہے، لیکن امر کے معنی میں ہے (یعنی ظلم نہ کرو، اور امر کی جگہ ماضی کا استعمال) تاکید کے لئے ہوتا ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مسلمان پر ظلم کرنا حرام ہے، طبرانی کی روایت میں اگلے لفظ میں اضافہ ہے ”مسلمان بھائی کو مصیبت میں نہ چھوڑے“۔ ابن تین کہتے ہیں: لایظلمه فرض کا بیان ہے، اور لایسلمه مستحب کا، علامہ داؤدی کے نزدیک فرضیت میں دونوں برابر ہیں، جب کہ اس میں تفصیل ہے؛ اس وقت تو دفاع فرض ہے جب

کسی مسلمان پر اچانک کوئی دشمن وغیرہ حملہ کردے، اور دوسرے دنیاوی معاملات میں اس کی اعانت استحباب کا درجہ رکھتی ہے، شارح بخاری علامہ ابن بطال مالکی فرماتے ہیں: ظلم کے وقت مظلوم کی مدد عام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، اور حاکم پر فرض عین ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: موقع محل کے لحاظ سے وجوب اور استحباب بدلتے رہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

(باب نصر المظلوم)هو فرض كفاية ،و هو عام فى المظلومين، كذلك فى الناصرين ؛ بناء على ان فرض الكفاية مخاطب به الجميع ، و هو الراجح ، و يتعين احيانا على من له القدرة عليه وحده، اولم يترتب على انكاره مفسدة اشد من مفسدة المنكر، فلو علم اوغلب على ظنه انه لا يفيد سقط الوجوب ،وبقى اصل الاستحباب بالشرط المذكور ،فلو تساوت المفسدتان تخير، وشرط الناصر :ان يكون عالما بكون الفعل ظلماً،ويقع النصر مع وقوع الظلم وهو حينئذ حقيقة.

(فتح الباری ۵ / ۱۲۵، دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: مظلوم کی مدد وفریاد رسی فرض کفایہ ہے، اور یہ حکم عام ہے کہ مظلوم کوئی بھی ہو، اسی طرح مددگار کوئی ہو، اس لئے کہ فرض کفایہ کے مخاطب تمام مسلمان ہیں، اور یہی بات زیادہ صحیح ہے، اور اس شخص پر ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کی اعانت کرنا فرض عین ہے جس کو اس پر پوری قدرت ہو، یا اس کی اعانت سے کوئی ناقابل برداشت فتنہ نہ کھڑا ہوتا ہو، اور اگر اس بات کا امکان ہو تو فرض

نہیں، تاہم پچھلی شرط کے ساتھ دفاع مستحب ہوگا، اور اگر دونوں طرف نفع یا نقصان برابر ہو تو جس شق کو چاہے اختیار کرلے۔

مددگار کے لئے واقعہ کے ظلم ہونے کا علم ضروری ہے، اور حقیقی نصرت و دفاع اسی وقت ہے جب کہ ظلم ہو رہا ہو، الخ۔ [۱]

---

[۱] اعلاء السنن میں عینیؒ کے کلام کو نقل کرنے بعد ہے: قلت: لایظھر من ھذا الکلام تفصیل الاحوال التی تجب فیھا النصرۃ و تستحب، و لا یعلم شرائط الوجوب. اور حافظؒ کی عبارت کے بعد میں ہے: قلت: لایعلم منہ انہ ھل یجب ھذہ النصرۃ بتحمل الضرر، ام تجب بغیرہ؟ و علی الاول لا یعلم ھل لضرر یتحملہ حد، ام لا؟ فلیتحقق. (اعلاء السنن ۱۶/ ۳۲۰) بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ سے جو دونوں کتابوں میں مشترک ہے صاحب اعلاء السنن کو اختلاف ہے، تبھی انہوں نے ان دونوں عبارتوں پر ایسا استدراکی کلام کیا ہے، اور اس کے بعد تردید میں رد المحتار سے اکراہ بالغیر کے مسئلہ والی عبارت نقل کی ہے۔
راقم کے خیال میں یہاں سہو واقع ہوا ہے، جس کا منشا خلط مبحث ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ اعلاء السنن میں یہ کلام اکراہ بالغیر کے ضمن میں کیا گیا ہے، مثلاً کوئی یہ کہے کہ تم مردار کھاؤ یا شراب پیو، یا کلمہ کفر کہو ورنہ فلاں کو قتل کردیں گے، حنفیہ کے قواعد پر اس سے اکراہ نہیں ہوتا (طوری کہتے ہیں کہ بعض کے نزدیک اس میں بھی اکراہ ہوجاتا ہے)، اور اس مسئلہ کا بیان بخاریؒ کی روایت لا یظلمہ و لا یسلمہ جیسے مضامین پر کیا ہے، جب کہ اس حدیث میں اور اس جیسی دوسری روایات میں دفاع کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، اکراہ اور دفاع میں بین فرق ہے، وہ یہ کہ دفاع، خواہ اپنا ہو یا دوسرے کا، وہاں ہوتا ہے جہاں مدافع کو کسی درجہ قدرت ہو، حالانکہ اکراہ کی شرط یہ ہے کہ مجبور و مکرَہ اپنے دفاع پر قادر نہ ہو، اور ظالم کو اپنی دھمکی کے نفاذ پر پوری قدرت ہو، اگر ظن غالب کے درجہ میں بھی ایسی قدرت اس کو نہ ہو تو اکراہ ہی نہیں ہوگا۔ تو اکراہ کا مسئلہ تو وہی ہے جو اعلاء السنن میں ذکر ہے، لیکن حافظین کے کلام پر رد اس لئے درست نہیں کیونکہ ان کا کلام دفاع سے متعلق ہے، جس کا بڑا قرینہ یہ ہے کہ ان دونوں ہی حضرات نے یہ کلام کتاب المظالم میں کیا ہے، کتاب الاکراہ میں بھی یہی حدیث آئی ہے، لیکن وہاں نہ تو اس کا اعادہ ہے اور نہ ہی حوالہ، پھر دفاع کے باب میں حنفیہ کا کلام بھی اتنا ہی مجمل ہے جتنا حافظ کا، جیسا کہ متن میں مذکورہ عبارات سے معلوم ہوتا ہے، نیز اتنی بات تو واضح ہے کہ فتنہ میں اپنی جان جانے کا اندیشہ داخل نہیں ہے، کیونکہ الدر المنتقیٰ کی عبارت آرہی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مسلمان پر حملہ آور، مسلمان ہو یا کوئی دوسرا محارب ہے، اور محارب سے لڑنے کے لئے اپنی جان کے تحفظ کی شرط کسی نے نہیں بیان کی، جب کہ ہدایہ میں اس کو باغی کہا ہے، ممکن ہے فتنہ سے مراد خروج علی الامام، یا واقعہ کی عدم تحقیق، جیسے امور ہوں۔ واللہ اعلم

اور اس ضمن میں فقہاء حنفیہ کی یہ عبارات بھی ہیں:

وفی المجتبی: الاصل ان کل شخص رائ مسلماً یزنی یحل له ان یقتل، وانما یمتنع خوفا من ان لا یصدق انه زنی، وعلی هذا القیاس. هو من تتمة عبارة المجتبی، واقره فی البحر والنهر، ولذا مشی علیه المصنف. المکابر بالظلم. ای الآخذ علانیة بطریق الغلبة والقهر، وقطاع الطریق ان لم یقطع علیه، بل علی غیره، لما فیه من تخلیص الناس من شره واذاه، وصاحب المکس وجمیع الظلمة بادنی شئ له قیمة وجمیع الکبائر. ای اهلها والظاهر ان المراد بها المتعدی ضررها الی الغیر، والاعونة والسعاة یباح قتل الکل، یثاب قاتلهم، وافتی الناصحی بوجوب قتل کل موذٍ. لعل الوجوب بالنظر للامام ونوابه والاباحة بالنظر لغیرهم. (ردالمحتار علی الدرالمختار ۶/ ۱۰۹-۱۱۰)

ویجب قتل من شهر سیفا علی المسلمین. تنازعه کل من یجب وشهر. وعبارة الجامع الصغیر: شهر علی المسلمین سیفا قال: حق علی المسلمین ان یقتلوه ولا شیء علیهم. یعنی فی الحال. ای حال شهره السیف علیهم قاصداً ضربهم، لا بعد انصرافه عنهم فانه لایجوز قتله.

(ردالمحتار علی الدرالمختار ۱۰/ ۱۹۰-۱۹۱)

> لایختلف قول الحنفیة والمالکیة فی الدفاع عن نفس الغیر ومادونها من الاطراف اذا صال علیها صائل عن قولهم فی الدفاع عن النفس، اذا کان المصول علیه معصوم الدم؛ بان یکون من المسلمین او من اهل الذمة وان یکون مظلوما. واستدلوا فی وجوب الدفاع عن نفس الغیر واطرافه بنفس الادلة التی استدلوا بها فی المسالة السابقة. (الموسوعة مادہ: صیال ۲۸/ ۱۰۸)

ترجمہ: حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب اپنی جان اور دوسرے مسلمان کی جان، اور جان سے کم کسی عضو پر حملہ سے دفاع کے بارے میں یکساں ہے (کہ جس طرح اپنا دفاع فرض ہے، ایسے ہی دوسرے کا دفاع فرض ہے)، جب کہ وہ شخص جس پر حملہ کیا گیا معصوم الدم ہو، اس طرح کہ وہ مسلمان ہو، یا ذمی ہو، لیکن مظلوم ہو۔

اور ان کا استدلال اس مسئلہ میں انہیں دلائل سے ہے جن سے اپنی جان کا دفاع واجب ہوتا ہے۔

شافعیہ کے دو قول ہیں (۱) دفاع عن الغیر واجب ہے۔ (۲) دفاع عن الغیر جائز نہیں۔ (حوالہ بالا)

دفاع کا طریقہ اور ترتیب

عَن قَابُوسِ بن المُخارِقِ عن اَبیہ قَال: اَتی النَّبِیَّ ﷺ رَجل فَقالَ: یَا رَسُولَ اللہ! اَلرَّجُلُ یَاتِیْنِیْ یُرِیْدُ مَالِی؟ قَالَ ﷺ: ذَکِّرْہُ اللہ، قَال: فَاِنْ لَمْ یَذْکُر؟ قَال: فَاسْتَعِنْ عَلَیْہِ بِمَنْ حَوْلَکَ مِنَ الْمُسْلِمِینَ، قَال: فَاِن لَم یَکُنْ حَولِی مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ؟ قَالَ: فَاسْتَعِنْ عَلَیہِ بِالسُّلْطَانِ، قَال: فَان نَأیَ عَنِّی السُّلطانُ؟ قَال: فَقَاتِل دُونَ مَالِکَ حَتّٰی تَمْنَعَ مَالَکَ وتَکُونَ فِی شُھَدَاءِ الْاٰخِرَۃِ. (وروی مرسلا وموصولا وبعض طرقہ حسن۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۶۲۴، ۱۴/ ۳۴۴)

ترجمہ: مخارق کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پاس ایک صحابی آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر کوئی میرا مال ناحق لینے کا ارادہ کرے تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو اللہ یاد دلاؤ، پھر عرض کیا اگر وہ نہ مانا؟ آپ نے فرمایا آس پاس کے لوگوں سے معاونت لے لو، پھر عرض کیا اگر میرے ارد گرد کوئی مدد کرنے والا نہ ہوا؟ آپ نے فرمایا حاکم وقت کو اطلاع دو، پھر عرض کیا اگر حاکم سر دست نہ میسر ہو؟ فرمایا

کہ اپنے مال کی حفاظت میں لڑو کہ (تم اگر حفاظت میں مارے گئے) تو آخرت میں شہید ہو گے۔

یہی ناحق، باطل اور ظلماً دست درازی اور زیادتی کو روکنا دفاع کہلاتا ہے، اور ان جیسی روایات کے پیش نظر علماء نے دفاع کی ترتیب بیان کی ہے کہ کس ظالم سے کس طرح دفاع کیا جائے۔ عام قاعدہ تو یہ ہے کہ جان، آبرو اور مال تینوں صورتوں میں جہاں تک ممکن ہو دفاع کی آسان سے آسان تدبیر اختیار کی جائے، اگر فقط کہہ سن کر معاملہ ٹل جائے تو مار پیٹ کرنا جائز نہیں، یا قریب میں موجود لوگوں کی مدد سے اپنا بچاؤ ہو سکتا ہے تب بھی آگے کی کاروائی درست نہیں۔

اگر معاملہ آگے بڑھ جائے کہ اپنے بچاؤ میں ہاتھا پائی کی نوبت ہوگئی، ایسی صورت میں اگر فقط اپنی قوت سے کام لینا کافی ہو تو لاٹھی ڈنڈے وغیرہ کا استعمال جائز نہیں، اور اگر دونوں طرف سے یہی صورت ہے کہ لاٹھیاں چلنے لگیں تو ہتھیار کا استعمال جائز نہیں۔ اسی طرح اگر ظالم کی شر انگیزی کسی دوسرے طریقے سے ختم ہو جاتی ہے تو اب ان میں سے کوئی بھی صورت کا اختیار کرنا جائز نہیں، مثلاً ظالم گر پڑ گیا، یا اس کو کوئی چوٹ یا زخم ایسا لگ گیا کہ وہ اب اس موقع پر کچھ کرنے کے قابل نہ رہا، یا اس کو ایسی مار لگی ہے کہ جس نے اس کو معطل کر دیا۔

لیکن ایسی صورت حال میں مظلوم کی حالت کا اور اس کے غلبہ ظن کا اعتبار ہوگا، مظلوم کو غلبہ ظن ہو کہ ظالم اسے کچھ نقصان بھی پہنچا سکے گا، محض خیال اور شک کہ یہ مجھ پر ظلم کرے گا، کافی نہیں۔ (الموسوعۃ الفقھیہ مادہ: صیال ۲۸/۱۰۶)

اضطراری صورتوں کا دفاع

جب دفاع کی ضرورت ہو تو مذکورہ ترتیب سے دفاع واجب ہے کہ آسان شکل کے ہوتے اوپر والی صورت اختیار کرنا جائز نہیں، البتہ اگر کہیں معاملہ اضطراری و بے قابو ہونے

کی وجہ سے اس ترتیب کے لحاظ کرنے کا موقع نہ، تو ایسی صورت میں جس طرح بھی بن پڑے اپنا دفاع ضروری ہے، پھر اس وقت ترتیب کالحاظ واجب نہیں۔

(ا) اگر پہلے ہی سے ظالم اپنے ساتھ ضرب وزک والی کوئی چیز مثلاً لاٹھی وغیرہ ساتھ لایا ہو، اور مظلوم کے پاس اتنا موقع نہیں کہ وہ بھی لاٹھی ہی لاکر مقابلہ کرے۔

(ب) اگر ہتھیار نکال لئے گئے ہوں، اور حالات ضبط وقابو سے خارج ہو جائیں۔

(ج) جب یہ غلبۂ ظن ہو کہ ظالم بلا سختی کئے ماننے والا نہیں، یا اس سے پہلے کہ مظلوم دفاع کی کوئی صورت اختیار کرے گا ظالم اپنا مقصد پورا کرلے گا۔

(د) ظالم غیر معصوم الدم، مثلاً حربی، مرتد یا زانئ محصن ہے۔

ان تمام صورتوں میں ترتیب مذکور کالحاظ ضروری نہیں، جس طرح بھی ممکن ہو اپنا دفاع ضروری ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیہ مادہ: صیال ۲۸/۱۰۷)

باوجود قدرت جان وآبرو کا دفاع نہ کرنا گناہ ہے

اپنے مال سے دفاع ضروری ہے، تاہم اس میں یہ امکان ہے کہ کوئی شخص اسے اپنی جان کا فدیہ سمجھ کر چھوڑ دے، اور آبرو کی اباحت کی کوئی صورت نہیں اس لئے اس کا دفاع بہر حال ایک حکم رکھتا ہے، اور جان پر تعرض کی تفصیل بھی آچکی۔ اپنی یا کسی دوسرے کی جان، مال، یا آبرو پر ظلم وتعدی معلوم ہوتے، بقدر وسعت وطاقت مدد نہ کرنا گناہ ہے، جس امر کا کرنا نہ کرنا یکساں ہو وہ مباح کہلاتا ہے، یعنی دونوں طرف نہ تو گناہ ہے اور نہ ہی ثواب، لیکن جب دفاع فرض ہو جائے تو دفاع نہ کرنے سے ترک فرض کا گناہ ہوگا۔

واما المدافعة عن الحريم فواجبة بلا خلاف. (شرح نووی ۱/۸۱)

فان قيل :قوله فى الحديث :فقداطل دمه يدل على الاباحة فقط فكيف يتمسك به على الوجوب قلنا: لما اهدر دمه صار ملحقا بالكافر الحربى المحارب، فيكون قتله واجبا، لكن لا لعين القتل، بل لدفع الضرر، حتى لو امكن

دفعه بغير القتل لايجوز قتله ،و الدليل على ان قتله واجب :ان المباح ماستوى طرفاه ،ولاياثم التارك بتركه ،وههنالو ترك المشهور عليه قتلَ الشاهر مع امكانه يكون آثما، فدل انه (اى الدفع) واجب.

(الکفایہ ۹/۱۶۷، ردالمحتار ۱۰/۱۹۱)

(ومن شهر على المسلمين سيفاوجب قتله) في الحال ان لم يكن دفع ضرره الابه، لانه من باب دفع الصائل ،فقدابطل عصمته بالمحاربة ،والسيف لايلبث بالمحاربة ،والسيف لايلبث مالم يدفع بالمعاونة، وفيه رمز الى انه لم يجب قتله لعينه، كما ان قتل الحربى لم يجب لعينه ،بل لاعلاء كلمة الله، والى انه لو ترك المشهور عليه قتلَ الشاهر مع امكانه كان آثما.

(الدر المنتقیٰ بہامش المجمع ۴/۳۲۰)

اہم ملحوظہ

اپنی جان، آبرو اور مال، اسی طرح دوسرے مسلمان بھائی کا دفاع عین ظلم کے وقت ہے، اس ظلم سے بچنے کی سعی وکوشش لازم ہے، جس میں ترتیب کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ لیکن جب کہ ظلم کسی طرح ٹل گیا، خواہ ظالم موقع سے چلا گیا، یا مظلوم وہاں سے بچ نکلا، یا پھر کسی اور شخص کی مداخلت سے ظلم ختم ہوگیا، اب اس واقعہ کے بعد مظلوم، یا کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں کہ وہ ازخود کوئی کاروائی ظالم پر کرے، اگر کرے گا تو گنہگار ہوگا، اب ضروری ہے کہ حاکم سے فریاد کرکے دادرسی کی جائے۔

ويقيمه (في الشرح:اى التعزير الواجب حقا لله) كل مسلم حال مباشرة المعصية .قنيه.و اما بعده فليس ذلك لغير الحاكم ،والزوج والمولى.(الدرالمختار ۶/۱۱۱)

حفظ ناموس کے لئے خودکشی

بہت سی صورتیں جن میں خواتین پر جنسی تشدد ہوتا ہے، اور پھر ان میں سے بعض میں خودکشی کے واقعات بھی رونما ہوتے ہیں، اسلام میں خودکشی کی ہمت افزائی تو کیا ہوتی، بلکہ یہ دوسرے کو قتل کرنے جیسا گناہِ کبیرہ ہے، حدیث پاک میں ہے کہ خودکشی کرنے والے کو اسی حال میں لایا جائے گا جس طرح اس نے خودکشی کی ہوگی اور وہ ہمیشہ (اگر اللہ کا فضل نہ ہو) جہنم میں پڑا رہے گا (بخاری شریف)، اس لئے اگر کسی بھی طرح اپنی جان وآبرو بچانا ممکن ہو تو اس صورت کو اختیار کرنا فرض ہے، لیکن دوسری جانب شریعت ایسے حکم کا مکلف بھی نہیں کرتی جو انسانی قوت و برداشت میں نہ ہو، اس لئے دفاع کا امکان نہ رہ جانے کے وقت مختلف حالات پیش آتے ہیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ یقین یا غلبۂ ظن ہے ہو کہ زانی بعد زِنا خود ہی قتل کردے گا، ایسی صورت میں اگر خودکشی کرلے تو مواخذہ نہیں، لیکن یہاں قتل کی وہ شکل اختیار کرے جس میں موت یقینی ہو۔

قال فی المحیط : والاصل ان من ابتلی ببلیتین ،یختار اھونھما وایسرھما...لو اکرہ علی القاء نفسہ فی النار او فی الماء او من سطح ان کان لا یرجو الخلاص والنجاۃ من ذلک یباح لہ، و الا فلا...والرابع علی اکراھہ بالقتل بالسیاط علی قتل نفسہ بالسیف یباح لہ القتل بالسیف ؛لان القتل بالسیاط اشد من القتل بالسیف. الخ (تکملۃ البحر الرائق ۸ / ۷۳، الخانیہ ۳ / ۴۸۴)

اور اگر ظالم کی طرف سے قتل کا گمان نہ ہو، لیکن متغلبین کفار ومشرکین میں سے ہوں تب بھی رجاءِ عفو ہے، کیونکہ اغاظت کفار کی بھی شرع میں نظیر موجود ہے۔

اس کے علاوہ یعنی نہ تو قتل کئے جانے کا غلبۂ ظن ہو، اور نہ ہی ظالم کافر ومشرک ہوں، تو

ایسی صورت میں کوئی جزئیہ تو نہیں ملا، اور خودکشی کرنا تو نہیں چاہئے، بلکہ اللہ سے مدد مانگے اور ہمت کرکے اپنا دفاع کرے، تاہم اگر کرلی تو ان کے ساتھ معافی ورحمت کی امید ہے، اس لئے بھی کہ اس نازک صنف کے حق میں دفاع کا اس کے علاوہ اورکوئی طریقہ باقی ہی نہ رہا۔ واللہ اعلم (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۸ / ۵۰۹)

یہ تمام صورتیں اپنے دفاع کی قدرت نہ ہونے کے وقت کی ہیں، اور اگر اپنے دفاع کی قدرت ہوتو دفاع فرض ہے، اور اگر دفاع میں لڑکی نے ظالم کو قتل بھی کردیا، تو عند اللہ اس سے کوئی مواخذہ وگناہ نہ ہوگا، قانونی کاروائی دنیاوی مجبوری ہے۔

ولو اکرھھا فلھا قتلہ ودمہ ھدر. وفی الشرح: ای ان لم یمکنھا التخلص منہ بصیاح او ضرب، والا لم تکن مکرھۃ. (ردالمحتار ۶ / ۱۰۸)

اور یہ صورت قطعاً جائز نہیں کہ کوئی شخص اپنی محرم یا غیر محرم کو عصمت کے اندیشہ سے قتل کردے، ایسے شخص کو قتل انسانی کا گناہ ہوگا، اس شخص کو چاہئے کہ اس کی آبرو کا دفاع کرے، اب چاہے اپنی جان جائے تو شہید ہوگا، یا اس ظالم کی، تو وہ جہنم رسید ہوگا اور اِس پر آخرت میں کوئی مواخذہ نہیں۔

اور اگر کسی کے ساتھ زیادتی ہوگئی، تو اب اس کے لئے خودکشی حرام ہے، جب کہ اس بندی کا اس فعل میں کوئی دخل نہیں، اس لئے یہ بات اس کے حق میں ایک مصیبت ہے، گو بہت بڑی ہے، لیکن اب خودکشی کرنا کسی طرح درست نہیں، پہلی صورت میں یہ چونکہ دفاع کو متضمن تھی اس لئے وہاں اس کی معافی کی امید تھی، اور اب دفاع نہیں رہا بلکہ محض حالات سے فرار ہے، لہٰذا جائز نہیں۔

باب ثانی

فصل

شہادت کاملہ کے شرائط

جس طرح نماز میں دو طرح کی شرائط پائی جاتی ہیں، ایک تو ایسی جو ہر نماز کے لئے ضروری ہیں، جیسے نماز کی سات شرائط کپڑے، بدن، جگہ کا پاک ہونا وغیرہ، دوسری قسم میں وہ شرائط آتی ہیں جو بعض نمازوں کے لئے ہیں ہر نماز کے لئے نہیں، جیسے جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے لئے اذنِ عام، خطبہ، جماعت شرط ہیں جو عام نمازوں کے علاوہ ہیں۔

اسی طرح شہادتِ کاملہ یا شہید حقیقی کے لئے بھی دو نوع کی شرطیں ہیں:

(۱) پہلی نوع کی تو وہ شرائط جو ہر شہید کے لئے ضروری ہیں، ان میں سے ایک شرط بھی نہ ہو تو مرنے والے پر دنیا میں شہید حقیقی کے احکام جاری نہ ہوں گے، حتی کے جہاد میں قتل ہونے والوں پر بھی۔

(۲) دوسری نوع ان شرائط کی ہیں جو بعض مواقع کے ساتھ خاص ہیں ہر جگہ پایا جانا ضروری نہیں۔

پہلی نوع کی پانچ ۵ شرائط ہیں: (۱) تکلیف (۲) اسلام (۳) حدث اکبر سے طہارت (۴) قاتل سے قتل کا تحقق (۵) عدم ارتثاث۔

دوسری نوع کی تین ۳ شرائط ہیں: (۱) مقتول کا مظلوم ہو (۲) قاتل کا معلوم ہو (۳) ظالم اگر مسلمان یا ذمی ہو تو قتل سے اصالۃً قصاص واجب ہو، یا کچھ بھی واجب نہ ہو۔

نوع اوّل کے شرائط

پہلی شرط مکلّف ہونا

مکلف عاقل بالغ کو کہا جاتا ہے، چنانچہ مرنے والے کا سالم العقل ہونا ضروری ہے، مجنون، پاگل، معتوہ وغیرہ کے لئے شہید کے احکام نہیں، اسی طرح مرنے والے کا بالغ شرعی ہونا ضروری ہے، یعنی لڑکے کا پندرہ سال کا ہونا یا اس پہلے کوئی علامت بلوغ کی، مثلاً احتلام، احبال وغیرہ ظاہر ہونا، اسی طرح لڑکی کے پندرہ سال پورے ہونا، یا اس قبل کوئی علامت بلوغ کی مثلاً حیض، یا حمل ظاہر ہونا، لہٰذا بچہ یا مجنون اگر جہاد میں بھی مارا جائے تو اس کے لئے شہید کے احکام نہ ہوں گے۔

دوسری شرط مسلمان ہونا

شہید کے احکام مسلمان ہی پر جاری ہوں گے، اگر کوئی غیر مسلم، عیسائی وغیرہ مسلمانوں کی حمایت میں مارا جائے تو اس کے لئے اسلامی احکام شہادت نہ ہوں گے۔

کل مسلم مکلف قتل ظلما و لم یجب عن دمه بدل هو مال.

(الفتاوی الخانیہ علی ہامش الہندیہ ۱/۱۸۶)

و ذکر فی المجتبی و البدائع: ان الشرائط ست: العقل و البلوغ و القتل ظلما و انه لا یجب به عوض مالی و الطهارة عن الجنابة و عدم الارتثاث.

(البحر الرائق ۲/۱۹۷)

هو کل مکلف مسلم طاهر قتل ظلما. (الدر المختار ۳/۱۵۸، بدائع الصنائع ۲/۶۶ تا ۶۹، التاتارخانیہ رقم المسئلہ ۳۶۱۹ تا ۳۶۲۱، ۳/۱۷)

تیسری شرط حدث اکبر سے طہارت

شہادت کے احکام کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مرتے وقت ناپاک نہ ہو، اس لئے کہ

شہادت سے وہ غسل ساقط ہوتا ہے جو صرف موت سے واجب ہو، اور جو غسل مرنے سے قبل ہی واجب تھا وہ شہادت سے معاف اور ساقط نہیں ہوتا۔

حائضہ کی تین حالتیں

(۱) دورانِ حیض یعنی عادت شروع ہو کر تین یوم سے زائد ہو گیا، اور اسی حال میں قتل ہو جائے۔

(۲) ایامِ عادت یا دس یوم مکمل ہو گئے، یعنی حیض منقطع ہو چکا، لیکن ابھی تک غسل طہارت نہ کیا تھا کہ قتل کر دی گئی، ان دونوں صورتوں میں شہید کے احکام جاری نہ ہوں گے کیونکہ یہ حالت ناپاکی کی ہے۔

(۳) خون شروع ہوا، لیکن تین یوم مکمل ہونے سے قبل واقعہ قتل پیش آیا تو وہ پاک تسلیم کی جائے گی، اور اس پر شہید کے احکام جاری ہو سکیں گے۔

(وطاهر) قال ابن عابدين : اى ليس به جنابة ولا حيض ولا نفاس ولا انقطاع احدهما كما هو المتبادر. (فالحائض إن رأت ثلاثة أيام غسلت ، وإلا لا ، لعدم كونها حائضا) اى وان لم تراه ثلاثة ايام لاتغسل بالاجماع.

(ردالمحتار ۳ / ۱۵۸، الفتاوی التاتارخانیہ رقم المسالہ ۳۶۲۰، ۳ / ۱۸، البحرالرائق ۲ / ۱۹۸)

نفساء کا حکم

نفاس کی اقل مدت نہیں، اس لئے نفساء میں پہلی ہی دو صورتیں ہوتی ہیں، جن میں شہادت نہیں ہوگی۔

وفى الخبازية :هذا الجواب فى النفساء مجرى على اطلاقه لان أقل النفاس لا حدله. (البحرالرائق ۲ / ۱۹۸)

خلاصہ یہ کہ بحالت جنابت وناپاکی مرنے والے یا مرنیوالی، اسی طرح حائضہ ونفساء کسی حال میں شہید نہیں ہوتے، جہاد میں بھی ان پر شہید کے احکام نہ ہوں گے، لیکن

تین یوم سے کم خون دیکھنے والی عورت پاک ہے، لہٰذا دیگر شرائط پائے جانے پر اس کے لئے شہید کے احکام ہوں گے۔

مستحاضہ پاک ہے

مستحاضہ ناپاک نہیں ہوتی، لہٰذا اس کے لئے شہید کے احکام ہوں گے، مستحاضہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کو بیماری کی وجہ سے ایام عادت کے علاوہ بھی خون آتا ہے، اسی لئے اس سے نماز وغیرہ بھی معاف نہیں، پڑھنا ضروری ہے۔

چوتھی شرط قاتل سے قتل کا تحقق

شہید پر قاتل کی طرف سے قتل کا پایا جانا ضروری ہے، اپنی موت مرنے والے کے لئے شہادت کے احکام نہیں اگرچہ وہ عین جہاد میں مارا جائے، اسی لئے جہاد کے بعد مردہ پائے جانے والے پر کوئی علامت قتل کی موجود ہونا ضروری ہے، جیسے کوئی وار، زخم کا نشان ہو، یا آنکھ وکان سے خون نکلنا، یہ وار یا شدید چوٹ ہی سے نکلتے ہیں اس لئے کہ عادۃ حالت حیات میں ان مقامات سے بلا زخم خون نہیں آتا۔

علاماتِ قتل

اگر کہیں قتل کا اندیشہ ہو اور قتل کے آثار مثلاً زخم، یا وار وغیرہ کا نشان نمایاں نہ ہو، تو مندرجہ علامات سے قتل ثابت ہوسکتا ہے اور اگر یہ علامات بھی نہ پائی گئیں تو مقتول شہید نہ ہوگا۔

جیسے ناک اور آگے یا پیچھے کی راہ سے نکلنے والا خون قتل کی علامت نہیں، ناک میں نکسیر پھوٹنے کا احتمال ہے اور مارے خوف وہول کے بسا اوقات انسان کے پیشاب میں خون آجاتا ہے، بواسیر کی شکایت میں دبر سے خون آتا ہے۔

ان صورتوں میں دیگر امکان واحتمال ہونے کی بنا پر ان کو علامت قتل نہیں کہا جائے گا، گوکہ وہ جہاد کے میدان میں ہی مردہ پایا گیا ہو۔

(کخروج الدم)ای ان کان الدم یخرج من مخارقه ، ینظر:ان کان موضعا یخرج منه الدم من غیر آفة فی الباطن، کالانف و الذکر و الدبر لم یکن شهید، لان المرء قد یبول دما لشدة الفزع ،وقد یخرج الدم من الدبر من غیر جرح فی الباطن، فوقع الشک فی سقوط الغسل ،فلا یسقط بالشک ،وان کان یخرج من اذنه او عینه کان شهیدا ، لانه لا یخرج منهما عادة الا لآفة فی الباطن، فالظاهر انه ضرب علی راسه حتی خرج منهما الدم.

(ردالمحتار ۳/ ۱۶۱، بدائع الصنائع ۲/ ۷۱)

جسم پر کوئی زخم نہ ہو اور خون منھ سے نکل رہا ہو، اگر سیال اور رقیق ہو، جما ہوا اور سیاہی مائل نہ ہو تو وہ زخم کی علامت ہے، ورنہ نہیں۔

م(المحیط البرهانی):فان کان یخرج من فمه فهو علی وجهین :اما ان نزل من راسه ،یعلو من جوفه، فان کان ینزل من راسه غسل ،وان کان یعلو من الجوف ان کان سائلا لم یغسل وهو شهید،لان الدم لا یسیل من الجوف حالة الحیاة الابجرح فی البطن ،وکان ذلک علامة الضرب وان منجمدا یغسل؛ لانه یحتمل ان یکون سوداء او صفراء احترق ،فلایکون فی ذلک دلیل الجرح فی البطن فلایترک الغسل بالشک.(التاتارخانیه ۳۶۳۴، ۳/ ۲۱)

دشمن کو دیکھ کر خوف سے، خود کو کمزور سمجھ کر، یا بیچ بچاؤ میں اپنے ہی ہاتھوں مر گیا ،یا ناموس کی خاطر (عورت) خودکشی کر لے، یا اور کسی بھی طرح اپنے ہی آپ مرجائے جس میں قتل کی نسبت کسی دوسرے کی طرف نہ ہو، اس میں شہید کامل کے احکام نہ ہوں گے۔

یہی حکم اس صورت کا بھی ہے جبکہ کسی کی طرف سے خودکشی پر جبر واکراہ (ٹارچر) ہو جس کے نتیجے میں اس نے خودکشی کر لی، اگرچہ جبر کرنے والا ظالم ہے، مرنے والا شہید کامل نہیں۔

پانچویں شرط ارتثاث نہ ہو

یعنی مقتول نے زخمی ہونے کے بعد مرنے سے پہلے کوئی دنیاوی انتفاع نہ کیا ہو، جیسے کھانا، پینا، دوا علاج کرانا اگر چہ بہت مختصر ہی ہو، اور نہ دنیاوی احکام میں سے کوئی حکم مثلاً نماز پڑھنا، خرید وفروخت، یا کوئی دنیاوی وصیت کی ہو، اور نہ زخم کھانے کی جگہ سے بلا ضرورت منتقل کیا گیا ہو، اور نہ اسی جگہ پر کوئی سائبان وغیرہ لگایا گیا ہو، بہت لمبا کلام وگفتگو بھی نہ کی ہو، ان امور سے ارتثاث ہوگا، اور پھر یہ سب امور بعد معرکہ نہ ہونا چاہیے، اگر دوران معرکہ ان میں سے کوئی امر پیش آئے تو وہ ارتثاث نہ ہوگا اور مرنے والا شہید ہوگا، اسی طرح معرکہ ختم ہونے کے بعد ہوش وحواس کے ساتھ اس پر ایک نماز نہ فرض ہوئی ہو، اگر بے ہوشی میں اتنا وقت گذر گیا تو ارتثاث نہ ہوگا، خواہ کتنی ہی طویل بے ہوشی ہو۔

عن ابراهيم النخعي قال: اذا رفع القتيل دفن في ثيابه، وان رفع وبه رمق صنع به مايصنع بغيره. (مصنف ابن ابی شیبہ رقم ۱۱۱۱۳، ۷ / ۱۵۲)

من حمل من المعركة حيا ثم مات في بيته او على ايدى الرجال فهو مرتث، وكذلك اذا اكل او شرب او باع او ابتاع او تكلم بكلام طويل، او قام من مكانه ذلك الى مكان اٰخر وبقي على مكانه ذلك حيايوما كاملا اوليلا كاملةوهويعقل فهو مرتث. (البدائع ۲ / ۶۸)

اوجرح وارتث وذلك بان اكل او شرب او نام او تداوىٰ ولو قليلا، يرجع الى الاربعة قبله افاده البحر او اوىٰ خيمةوالمراد هنامااذا ضربت عليه خيمةوالا فهي مسالة النقل من المعركة، او مضى عليه وقت صلوةوهويعقل اونقل من المعركة، لا لخوف وطء الخيل اواوصى بامور الدنيا وان بامور الاخرة لايصير مرتثابشي مماذكروكل ذلك في الشهيدالكامل.

(الدر مع الرد ۳ / ۱۶۲ تا ۱۶۴)

دنیوی وصیت ارتثاث ہے دینی نہیں

وصیت سے ارتثاث اس وقت ہوگا جبکہ وصیت دنیوی ہو، جیسے اپنی جائیداد وغیرہ کے لئے وصیت، یا پسماندگان کی دیکھ بھال کی وصیت، اور اگر امور آخرت میں سے کوئی وصیت کی، مثلاً ایمان واعمال پر استقامت کی وصیت، نماز، روزہ وغیرہ اعمال کی وصیت ارتثاث میں داخل نہیں۔

ولو اوصیٰ کان ارتثاثا عند ابی یوسف خلافا لمحمد، وقیل لا خلاف بینهما فی الحقیقة، فجواب ابی یوسف خرج فیما اذا اوصی بشی من امور الدنیا وذلک یوجب الارتثاث بالاجماع؛ لان الوصیة بامور الدنیا من احکام الدنیا ومصالحها فینقض ذلک معنی الشهادة، وجواب محمد محمول علی ما اذا اوصی من امور الآخرة وذلک لا یوجب الارتثاث بالاجماع، کوصیة سعد بن الربیع. الخ (البدائع ۲/۶۸)

مسئلہ: امور دنیا کی وصیت بھی ایک یا دو کلمات میں اگر پوری ہوگئی تو ارتثاث نہ ہوگا، اور اگر دو کلموں سے زائد ہو تو وہ البتہ ارتثاث ہے۔

وفی الظهیریة: وانما تبطل الشهادة بالوصیة اذا ازدادت الوصیة علی کلمتین، اما الکلمة والکلمتان فلا تبطل الشهادة. (التاتارخانیہ ۳۶۲۴؛ ۳/۱۹)

موجودہ فسادات کے دورانیہ کا حکم

معرکہ کے حکم میں موجودہ فسادات بھی ہیں، اگر ان کے دوران ارتثاث ہوتا تو وہ ارتثاث شہادت سے مانع نہیں ہوگا۔

(اووجد فی المعرکة) سواء کانت معرکة اهل الحرب او اهل البغی او قطاع الطریق. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۳۴۳)

فصل

شہادت کاملہ کی پہلی چار صورتیں

جن صورتوں میں قتل ہونے والے کے لئے شہید کامل کے احکام ہوتے ہیں، ان میں کی اولین صورتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جہاد فی سبیل اللہ کی شہادت (۲) حربی کا مقتول شہید ہے (۳) قطاع الطریق ومحاربین کا مقتول شہید ہے (۴) باغیوں کا مقتول شہید ہے (۵) چوروں کے مقتول شہید ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کی شہادت

جہاد میں شہادت سب سے اہم شہادت ہے، اور موت انسانی اور عالم بقا کی طرف انتقال جسمانی کی سب سے اعلی ترین شکل ہے، جس کی تمنا ذات رسالت کی زبانی کرائی گئی ہے، اور جیسا کہ معلوم ہوا دیگر شہداء کی شہادت انہی مجاہدین کی مرہون ہے۔ چونکہ فی الحال ہمارے یہاں جہاد کی شکل نہیں ہے، اس لئے جہاد میں متصور شہادتوں کے بیان کی حاجت نہیں۔ فَاللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْن، وَاَذِلَّ الشِّرْكَ وَالْمُشْرِكِين

حربی کا مقتول شہید ہے

دارالحرب کے باشندہ وہاں کی قومیت (نیشنلٹی) رکھنے والے کو حربی کہا جاتا ہے اور جہاد بھی انہیں سے ہوتا ہے، حربیوں سے جہاد و معرکہ ہو یا بلا جہاد حربی کسی مسلمان کو قتل کر دے، وہ مقتول مسلمان شہید ہوگا، شرائط پائے جانے کے وقت شہید کامل کی طرح اس کی تجہیز وتکفین ہوگی۔

حربی کے قتل میں یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ آلہ قتل استعمال کرے، یا قتل عمد کی شکل

ہو، کسی بھی طرح قتل ہوا ہو، مقتول شہید ہوگا۔

قتله اهل البغي او قطاع الطريق او اهل الحرب بسلاح او غيره.

(فتاوی قاضیخان ۱/۱۸۶، البحر الرائق ۲/۱۹۶، حاشیۃ الطحطاوی ۳۴۳، الدر المختار ۳/۱۶۰)

قاطع الطریق (ڈاکوؤں) کے مقتول شہید ہیں

محاربہ اور قطع الطریق یہ دونوں فقہی اصطلاح ہیں، محاربہ حرب سے بنا ہے، جس کے معنی جنگ کے ہیں، اور قطع الطریق میں قطع کے معنی کاٹنا، اور طریق راستہ کو کہتے ہیں، مطلب ہوا راستہ بند کرنا، گھیرنا، کہ راہگیروں، مسافروں کو اس طرح سے گھیرا جائے کہ وہ بچ کر نکل نہ پائیں اور ان پر لوٹ ماری جائے۔ دونوں لفظوں کے لغوی معنوں میں مشترک نقض امن کا مفہوم ہے، جو معنیٔ فقہی میں ملحوظ ہے۔

تعریف: غارت مارنے کے لئے اس طرح سے غلبہ کرنا کہ انسان اپنا بچاؤ نہ کر پائے، اور لوٹنے والے کے پاس ایسی قوت وطاقت ہونے کا غلبۂ ظن ہو کہ وہ اپنے مقصد کو نافذ کرلے، ایک ہوں یا ایک سے زائد ہوں، سب غارت مارنے والے ہوں، یا بعض صرف مدد کرنے والے ہوں۔

یہ محاربین اور قطاع الطریق کسی کو قتل کردیں تو مقتول شہید ہوگا، قتل عمد ہو یا نہ ہو، یعنی آلہ قتل کا استعمال کریں یا نہ کریں بہرصورت مرنے والا شہید ہے۔

الخروج على المارة لاخذ المال على سبيل المغالبة على وجه يمتنع المارة عن المرور وينقطع الطريق، سواء كان القطع من جماعة او من واحد بعد ان يكون له قوة القطع، وسواء كان القطع بسلاح او غيره من العصا والحجر والخشب ونحوها، لان انقطاع الطريق يحصل بكل من ذلك، وسواء كان بمباشرة الكل او التسبيب من البعض والاعانة من البعض بالتسمير للدفع فلو لم يلحق التسبب بالمباشرة في سبب وجوب الحد لادى ذلك الى انفتاح باب

قطع الطريق وانسداد حكمه وانه قبيح ولهذا ألحق التسبب بالمباشرة في السرقة، كذاههنا. (البدائع ۶/۴۷)

محاربہ کے شرائط بھی ہیں، یہاں ان میں سے صرف وہ ذکر کئے جاتے ہیں جن کا تعلق موضوع سے ہے......

محارب وقاطع کے شرائط

(۱) مکلف ہونا، نابالغ اور مجنون کے عمل پر حد نہیں لازم آتی۔

(۲) ایک ہوں یا ایک سے زائد، لیکن یقین یا غلبہ ظن کے درجہ میں یہ بات معلوم ہو کہ ان کو ایسی قوت وطاقت حاصل ہے جس سے وہ اپنے مقصد کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں، اور کسی کو مغلوب کرنے پر قادر ہیں، خواہ بزور بازو، یا بذریعہ ہتھیار۔

(ممتنعين) اى متقومين بانفسهم بحيث يمنعون تعرض الغير عن انفسهم (او واحديقدر على الامتناع) اى على التقوى ومنع تعرض الغير عن نفسه بقوته وشجاعته. (الكفاية على الهدايه ۵/۷۷ او كذا في الفتح والعنايه)

مقطوع فیہ (جائے واردات) کے شرائط

جس جگہ پر محاربہ پیش آیا ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ جگہ آبادی سے خارج ہو، حضرات طرفین، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کی دو شرطیں ہیں: (۱) خارج شہر وآبادی ہو (۲) شہر اور جائے واردات میں مسافت سفر کی دوری ہو، اگر ایسی جگہ واردات ہوئی ہے تو محاربہ کرنے والے ہتھیاروں کا استعمال کریں یا نہ کریں، اگر ان کو اپنے مقصد کے نفاذ کی قوت وشوکت حاصل ہے تو وہ محاربہ ہوگا، ان کے ہاتھوں مرنے والے شہید ہوں گے۔

اگر جائے واردات شہری آبادی یا اس سے قریب ہو تو ان کے نزدیک محاربہ نہ ہوگا لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ اس صورت میں بھی محاربہ تسلیم کرتے ہیں، اور انہیں کا قول مفتی بہ ہے۔

وجه القياس: ان السبب قد تحقق وهو قطع الطريق فيجب الحد، كما لو كان في غير مصر. (البدائع ۶/ ۴۹، الولوالجیہ ۲/ ۲۶۲)

(وعن ابی یوسفؒ انه اذا كان خارج المصر ولو بقرب منه يجب الحد لانه لا يلحقه الغوث) لانه محارب مجاهرته هنا اغلظ من مجاهرته في المفازة ولا تفصيل في النص في مكان القطع. (فتح القدیر ۵/ ۱۸۵)

آبادی میں دن اور رات کا حکم الگ الگ ہے

آبادی اور قُرب آبادی میں، یعنی ایسی جگہ جہاں سے متاثر فریاد کرے تو قریبی آبادی والے سن سکیں، دن اور رات کا فرق ہوگا، اور وہ فرق یہ ہے کہ رات میں اگر یہ صورت واقعہ بن جائے تو ان کے پاس آلات قتل اور ہتھیار ہونا شرط نہیں، لاٹھی ڈنڈے وغیرہ بھی ان کے پاس ہوں تو خارج آبادی کی طرح یہاں بھی محاربہ ہوگا۔

والمكابرون في المصر بمنزلة قطاع الطريق. (البحر الرائق، مجمع الانہر ۱/ ۲۸۰، رد المحتار ۳/ ۱۶۰)

ظاہر الروایہ کی مذکورہ دونوں شرطوں کے بعد بحر اور تاتارخانیہ میں ہے:

وعن ابی یوسفؒ اعتبار الشرط الاوّل فقط، فيتحقق في المصر ليلا وعليه الفتوىٰ لمصلحة الناس.

(البحر الرائق ۵/ ۶۷، التاتارخانیہ رقم ۹۷۹۲، ۶/ ۴۸۰)

(والغوث يبطىء بالليالي) فيتحقق بلا سلاح و في شرح الطحاوي: الفتوى على قول ابي يوسف. (فتح القدیر، ۵/ ۱۸۵)

(من قصده ولو في المصر ليلا، به يفتى) اى بسلاح او بدونه وكذا نهارا لو بسلاح كما سياتي، هذا هو رواية عن ابي يوسف افتى بها المشايخ دفعا لشر المتغلبة المفسدين كما في القهستاني عن الاختيار وغيره ومثله في البحر.

(رد المحتار، ۶/ ۱۸۵)

دن میں اگر یہ صورت حال شریروں کی طرف سے برپا کی جائے، تو محاربہ اس وقت ہوگا جبکہ آلات قتل اور ہتھیاروں کا استعمال کیا گیا ہو، صرف لاٹھی ڈنڈوں یا بلا ہتھیار کچھ لوگ کسی شخص یا جماعت کو مغلوب کرنا چاہیں تو یہ محاربہ نہ ہوگا، جیسا کہ آچکا کہ محاربہ کے لئے منعۃ اور قوت شرط ہے، اور دن میں ظاہر ہے کہ بلا ہتھیار کسی پر زور زبردستی آبادی میں نہیں چل پاتی، بچنے والا خود ہر طرح سے بچنے کی کوشش وکاوش کرسکتا ہے، یا بغیر اپنی جان گنوائے کسی کو مدد کے واسطے بلا سکتا ہے، اس لئے یہاں محاربہ نہیں کہلاتا، برخلاف جبکہ ہتھیار سے حملہ ہو تو بچنے والے کے پاس اتنا موقع نہیں ہوتا کہ وہ اپنی جان بچا سکے، یا کسی سے فریاد کرسکے اور وہ آکر اس کی مدد کرسکے، جب تک کوئی بچانے آئے گا اس کا کام تمام کردیا جائے گا، اس لئے اس صورت کو محاربہ ہی تسلیم کیا جاتا ہے۔

وروی عن ابی یوسف فی قطاع الطریق فی المصر ان قاتلوا نہارا بسلاح یقام علیہم الحد، وان خرجوا بخشب لھم لم یقم علیہم لان السلاح لا یلبث فلا یلحق الغوث والخشب یلبث فالغوث یلحق، وان قاتلوا لیلا بسلاح او خشب یقام علیہم الحد لان الغوث قلما یلحق باللیل فیستوی فیہ السلاح وغیرہ.

(البدائع ۶/ ۵۰، رد المحتار ۶/ ۱۸۹، فتح القدیر والکفایہ ۵/ ۱۸۵)

مدد وفریاد شرط ہے

خلاصہ یہ کہ مفتیٰ بہ قول امام ابو یوسف کا ہے، جس کے مطابق اعتبار ولحاظ مقام واردات کا ہے، اگر وہ جگہ ایسی ہے کہ وہاں پر فریادی کی فریاد، چیخ پکار سن کر قریبی بستی سے کوئی آسکتا ہو اور جان بچنے کا امکان ہو، تو آبادی ہو یا خارج آبادی وہاں محاربہ اس وقت ہوگا جبکہ آلۂ قتل کا استعمال ہوا ہو، ورنہ محاربہ نہ ہوگا۔

اگر وہ جگہ ایسی ہے کہ وہاں سے چیخنے چلانے پر بھی قریب سے کوئی نہ آسکتا ہو، وہاں بلا ہتھیار اگر قوت وطاقت کا غلبہ ظن ہو تو محاربہ ہوگا۔

آبادی میں بلا ہتھیار غارت

اگر آبادی میں دھاوا کرنے والوں نے اپنی صرف دستی قوت کا استعمال کیا، جبکہ ان کے پاس نہ ہتھیار تھے اور نہ کوئی دوسری چیز ضرب وزک والی ان کے پاس تھی، اور اسی دوران کسی کی موت ہوگئی تو محاربہ نہ ہوگا۔

الاترى انهم لو هددوه بغير عصىً ولا سلاح، لم يكونوا محاربين.

(شرح مختصر الطحاوی ۶/ ۳۴۸)

ہاں البتہ وہ اگر اس تعداد میں ہوں کہ بلا پولیس ان پر قابو نہ ہو سکے، اور مغلوبین کمزور، یا تعداد میں اتنے کم ہوں کہ اپنا دفاع نہ کرسکیں، اور انہوں نے کسی کو قتل کر دیا تو یہ محاربہ ہوگا، ان کا مقتول شہید ہوگا۔

وفي نوادر ابن سماعة: عن ابى يوسف في المكابرين بالليل اذا لم يقدر اهل الدار على الامتناع منهم فهم محاربون واما بالنهار فهم مختلسون، حتى يكونوا اجمعا لا يقدر غير السلطان على منعهم.

(التاتارخانیہ، ۹۸۰۸:۶/ ۴۸۵)

محاربہ کے مقاصد

یہ بات بھی معلوم ہونا چاہئے کہ محاربین یا قطاع الطریق کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں، صرف مال ہی نہیں ہوتا:

(۱) ان کی غرض صرف مال لوٹنا ہو، کسی کا کچھ جانی نقصان نہ کریں۔

(۲) صرف جان تلف کریں، مال نہ لوٹیں۔

(۳) دونوں کام انجام دیں، مال بھی لوٹیں اور قتل بھی کریں۔

(۴) صرف انسانوں کو ڈرائیں دھمکائیں، اور ہراساں کر کے اپنا رعب جمائیں، جان و مال سے تعرض نہ ہو۔

قطع الطريق اربعة انواع: اما ان يكون باخذ المال لا غير ،و اما ان يكون بالقتل لا غير ،و اما ان يكون بهما جميعا ،و اما ان يكون بالتخويف من غير اخذ و لا قتل.(البدائع ۶/ ۵۱)

محارب للفاحشه

اس کے علاوہ بھی محاربہ کا ایک پانچواں مقصد علامہ ابن تیمیہ نے امام تفسیر سدیؒ سے نفاق کی قسموں کے تحت نقل کیا ہے:

لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِيْنَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا اِلَّا قَلِيلاً ٥ مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوا اُخِذُوا و قُتِّلُوا تَقْتِيلاً٥ سُنَّةَ اللهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيْلاً٥

(الاحزاب ۶۰ تا ۶۲)

قال السدی: كان النفاق على ثلاثة اوجه:

نفاق مثل نفاق عبدالله ابی ،وعبدالله بن نفيل ،ومالک بن داعس، فكان هولاء وجوها من وجوه الانصار ،فكانوا يستحيون ان ياتوا الزنا، يصونون بذلک انفسهم.

(والذين فی قلوبهم مرض) قال: الزناة؛ان وجدوه عملوا به، وان لم يجدوه لم يتبعوه.

ونفاق يكابرون النساء مكابرة،وهم هولاء الذين يجلسون على الطريق، ثم قال (ملعونين) ثم فصلت الآية (اينما ثقفوا) يعملون هذا العمل: مكابرة النساء.

قال السدی :هذا حكم فی القرآن ليس يعمل به،لو ان رجلا او اكثر من ذلک اقتصوا امراة فغلبوها على نفسها ففجروا بها، كان الحكم فيها غير الجلد والرجم ،ان يوخذفتضرب اعناقهم .قال السدی:

قوله (سنة) كذلك كان يفعل بمن مضى من الامم، قال: فمن كابر امراة على نفسها فقتل، فليس على قاتله الدية لانه مكابر.

قلت: هذا على وجهين:

احدهما ان يقتل دفعا لصوله عنها، مثل ان يقهرها فهذا دخل فى قوله: من قتل دون حرمته فهو شهيد، وهذه لها ان تدفعه بالقتل، لكن ان طاوعت، ففيه نزاع وتفصيل، فيه قضيتان عن عمر وعلى معروفتان، واما اذا فجر بها مستكرها ولم تجد من يعينها عليه فهولاء نوعان: احدهما ان يكون لهم شوكة كالمحاربين لاخذ المال، وهولاء محاربون للفاحشة فيتقلون قال السدى: قد قاله غيره. وذكر ابو اللوبى ان هذه جريمة عنده، وراى ان هولاء احق ان يكونوا محاربين.

والثانى الايكونوا ذوى شوكة بل يفعلون ذلك غيلة واحتيالا حتى اذا صارت عندهم المراة اكرهوها، فهذا المحارب غيلة، كما قال السدى يقتل ايضا، وان كانوا جماعة فى المصر فهم كالمحاربين فى المصر.

(فتاوی ابن تیمیہ ۱۳/ ۲۱ تا ۲۳)

ترجمہ: امام سدیؒ فرماتے ہیں:

نفاق تین طرح کا ہے، ایک تو نفاق عبد اللہ بن ابی، عبد اللہ بن نفیل اور، مالک بن داعس جیسے لوگ، کہ انصار کے سرداروں میں سے تھے اور (کھلے طور پر) زنا سے تو بچتے اور خود کو اس سے الگ رکھتے۔

''جن کے دلوں میں روگ ہے'' سدی کہتے ہیں اس سے زانی قسم کے لوگ مراد ہیں کہ موقع پایا تو چوکے نہیں ورنہ پیچھے نہیں پڑتے۔

نفاق کی ہی ایک قسم کے وہ لوگ ہیں جو عورتوں کی عزتوں پر حملہ کرتے ہیں، یہ لوگ تاڑنے اور نشانہ بنانے کی غرض سے گلیوں راستوں پر بیٹھا کرتے ہیں،" یہ ملعون ہیں"، پھر اگلے جملے میں اس کی تفصیل کی گئی ہے،" جہاں بھی یہ گھناؤنا عمل کرتے پکڑے جائیں"، مراد عورتوں کی آبرو لوٹتے پکڑے جائیں۔

امام سدی فرماتے ہیں: قرآن پاک کا یہ حکم غیر معمول بہ ہے کہ ایک یا ایک سے زائد مرد کسی عورت کا پیچھا کرکے اس کی جبراً عصمت دری کرے، اس صورت میں کوڑے یا رجم کی سزا نہیں، بلکہ ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے سر قلم کردیئے جائیں، امام سدی فرماتے ہیں "(یہ) اللہ کی عادت (ہے)" گذشتہ قوموں کے ساتھ بھی رہی ہے، اور یہ فرمایا کہ جو شخص کسی عورت کی آبرو پر حملہ کرنے والے کو قتل کرڈالے تو قاتل پر گناہ اور دیت نہ ہوگی، اس لئے کہ ایسا شخص ناقض امن اور فسادی ہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں اس کی دو شکلیں ہیں: ایک تو یہ کہ کوئی بچانے والا شخص جبر کرنے والے سے عورت کو بچانا چاہے (اور اس بیچ بچاؤ میں خود مر جائے)، تو وہ اس حدیث پاک کا مصداق ہوگا "جو شخص آبرو کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے"، اور اس مجبور عورت کے لئے یہ بھی گنجائش ہے کہ وہ ظالم کو قتل کردے (جبکہ قتل کے سوا بچنے کی کوئی شکل نہ ہو) لیکن اگر وہ مرد کا ساتھ دینے لگی تو اس بارے میں اختلاف ہے، اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے دو الگ الگ فیصلے منقول ہیں، اسی طرح وہ لوگ اگر عورت پر جبر کریں اور وہاں اس کو کوئی بچانے والا بھی نہیں، ایسے لوگ دو طرح کے ہیں: (ا) ان کو ایسا غلبہ وقوت حاصل ہو کہ جیسا کہ ان محاربین اور قطاع الطریق کو حاصل ہوتی ہے جن کا مقصد مال ہوا کرتا ہے، (جس طرح وہ محارب للمال ہیں) یہ لوگ محارب للفاحشہ ہیں، ان کو بھی پکڑے جانے پر (محصن ہوں

یا نہ ہوں) قتل کیا جائے گا، امام سدی فرماتے ہیں: اس بات کے دوسرے لوگ بھی قائل ہیں، ابولوبی نے بیان کیا ہے کہ یہ ان کے نزدیک بڑا جرم ہے، اور ان کی رائے ہے کہ یہ بدرجہ اولی محارب (یعنی فسادی اور امن انسانی پامال کرنے والے) کہلائیں گے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ان کو پہلی صورت جیسی قوت وغلبہ نہ ہو، تاہم یہ دفعتاً اور دھوکہ سے کسی پر جبر کرتے ہیں، کہ جہاں کہیں موقع پایا کسی کو نشانہ بنالیا، اگرچہ غیر منظم طریقہ پر ہو لیکن ایسی حرکت کو انجام دینے والے بھی محارب ہیں، اور جیسا کہ امام سدی نے کہا ہے ان کو بھی (بلا شرط احصان) قتل ہی کیا جائے گا، (خارج آبادی تو یہ حرکت کرنے والے محارب ہیں ہی) اور اگر ایسی ہی یہ کام انجام دینے والے شہر وآبادی میں ایسا کرتے ہوں، وہ بھی محارب ہی ہوں گے اور انہیں اس جرم کی پاداش میں قتل کیا جائے گا۔ (ترجمہ پورا ہوا)

امام ابن تیمیہؒ کے بیان سے معلوم ہوا کہ محاربہ کا ایک مقصد فاحشہ بھی ہے، جس کی مثالیں ہمارے زمانے میں آئے دن پیش آرہی ہیں، اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے کسی کی جان کی پرواہ بھی خاطر میں نہیں لائی جاتی۔

اگر ان پانچ مقاصد میں سے کوئی بھی ان کا مقصد نہ ہوا تو محاربہ نہ کہلائے گا، نیز ان مقاصد محاربہ میں سے جن صورتوں میں قتل نہیں، یعنی پہلی اور چوتھی صورت، اس کا مسئلہ سے تعلق نہیں، بقیہ صورتیں، جن میں محاربین اپنے مقصد کے نفاذ میں قتل کریں تو مرنے والے پر شرائط پورا ہونے کی صورت میں شہید کامل کے احکامات جاری ہوں گے۔ واللہ اعلم

باغی کے مقتول شہید ہیں

باغی کی تعریف: وہ شخص یا جماعت جو قران وسنت میں کوئی باطل تاویل، یا دنیاوی ناحق مطالبہ کی بنیاد پر امیر المومنین یا سلطان وقت کی اطاعت سے انکار کرے اور اس کے خلاف خروج کرے، یا ایسے ہی کسی سبب عام مسلمانوں کو کافر ومشرک گردانیں، ان کو

مباح الدم تصور کریں۔

باغیوں کے مقتول بھی بہرحال شہید ہیں، خواہ آلات قتل اور ہتھیار سے مارے گئے ہوں، یا بلا ہتھیار۔

وشرعاهم الخارجون عن الامام الحق بغير حق فلو بحق فليسوا ببغاة ثم الخارجون عن طاعة الامام ثلاثة اصناف: قطاع الطريق وعلم حكمهم، وخوارج وهم قوم لهم منعة خرجوا عليه بتاويل ،يرون انه على باطل كفر او معصية توجب قتالهم بتاويلهم ويستحلون دمائنا واموالنا ويسبون نسائنا ويكفرون اصحاب نبينا وحكمهم حكم البغاة باجماع الفقهاء كما حققه في الفتح. (الدر المختار ۶/ ۴۱۱ تا ۴۱۵)

بغاوت تسلیم ہونے کے شرائط

پہلی شرط

بغاوت کے تسلیم ہونے کی تین شرطیں ہیں پہلی تو یہ کہ باغی مسلمان ہونا چاہئے غیر مسلمین کی امام سے مخالفت بغاوت نہیں کہلاتی، بلکہ وہ محاربہ کہلاتا ہے۔

يجب ان يعلم ان اهل البغي قوم من المسلمين يخرجون على الامام العدل ويمتنعون عن احكام العدل. (التاتارخانیہ ۱۰۲۱۷، ۷/ ۱۶۶)

البتہ اگر کفار باغیوں کا ساتھ دیں تو وہ بھی باغی شمار ہوں گے، محارب نہیں۔

(فاذاخرج جماعة من المسلمين) قيد بذلك، لان اهل الذمة اذاغلبوا على بلدة صاروا اهل الحرب كمامر، ولو قاتلوا مع اهل البغي لم يكن ذلك نقضا للعهد وهذا لايرد على المصنف لانهم اتباع للبغاة المسلمين. نهر: اى فلهم حكمهم بطريق التبعية. (ردالمحتار ۶/ ۴۱۵)

خلاصہ یہ کہ کفار اگر مسلمان باغیوں کا ساتھ دیں تو مسلمانوں کے تابع ہونے کی وجہ سے ان کو باغی کہا جائے گا، اور اگر وہ مسلمانوں کے تابع نہیں تو دیکھا جائے گا کہ اگر ان محاربین جیسی قوت ہے تو وہ محاربین ہوں گے، ورنہ وہ صرف چور کہلائیں گے۔

دوسری شرط

خارجیوں اور باغیوں کو قوت وغلبہ بھی ہونا ضروری ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے پاس اتنی قوت وطاقت کا غلبۂ ظن ہو کہ وہ کسی شہر، علاقہ یا بستی پر غالب ہونا چاہیں تو غالب ہوسکیں، یا کسی قوم وجماعت کو یرغمال بناسکیں۔

وفی السراجیہ: اذا اظہرت جماعۃ من اہل القبلۃ رای او دعت الیہ وقاتلت علیہ وصارت لہم منعۃ وشوکۃ وقوۃ الخ.

(التاتارخانیہ ۱۰۲۱۶: ۷/ ۱۶۶، البدائع ۶/ ۱۲۶)

تیسری شرط

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ بغاوت کرنے والے مسلمان اسلام میں کوئی تاویل کرتے ہوں، جس کی بنیاد پر امام یا مسلمانوں کی مخالفت ضروری سمجھتے ہوں۔

والفرق بین الباغی والمحارب: ان المحارب یخرج فسقا وعصیانا علی غیر تاویل، والباغی: ہو الذی یحارب علی تاویل.

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۹۱، ردالمحتار ۶/ ۴۱۱)

اگر مسلمان بلا تاویل یا کسی جائز حق کے، امام المسلمین یا مسلمانوں سے خروج کریں تو وہ بغاوت نہیں رہ جاتی، بلکہ بسا اوقات بغاوت سے بڑھ کر بلا تاویل مسلمان کے خون کو مباح قرار دینا، یعنی کفر صریح ہے۔

انما لم نکفرہم لکونہ عن تاویل وان کان باطلا بخلاف المستحل بلا تاویل. (الدرالمختار ۶/ ۴۱۴)

امارت اور بغاوت

امامت کبریٰ اسلام کی انتہائی اہم اور ناگزیر ضرورت ہے، خلافت اسلامیہ کا انعقاد مسلمانوں کا ایسا فریضۂ دینی ہے، جس پر ہزاروں مسائل کے حل موقوف ہیں، اس کے بغیر نہ تو اسلامی اصول کی صحیح تصویر نمایاں ہو سکتی ہے، خواہ وہ قوانین اسلام ہوں، نجی معاملات ہوں، یا انتظام رعایا اور رفاہِ عامہ کے امور ہوں، اسی طرح نہ ہی مسلمان خلافت کے بغیر اپنی اساسی حقوق کی پاسداری کر سکتے ہیں، اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وفات نبوی کے بعد جسدِ اطہر کی تکفین وتدفین سے قبل اس کی ضرورت محسوس کی، اور اس انعقاد کی مصلحت کے لئے اتنے وقت تک اس مہتم بالشان عمل کو بھی موخر کرنا ضروری سمجھا، جب کہ وہ مصلحت واقعہ کے بھی مطابق تھی۔

مسئلہ امارت وخلافت کی اہمیت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اسے محفوظ رکھنے کے لئے شریعت میں چھوٹے موٹے ضرر کا بھی تحمل گوارا کیا گیا ہے، کیونکہ یہ ضرر خلافت نہ ہونے کے مضرات ونقصانات سے بہر حال کم ہی ہے۔

امارت کا قیام

امیر المومنین کے تسلیم ہونے کی تین شکلیں ہیں:

(۱) سابق امام وسلطان اپنی جگہ کسی کو نامزد کر گیا ہو۔

(۲) مسلمانوں کے اہل حل وعقد اور خواص نے بلا اختلاف کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہو، صرف عوام کے کسی کو امیر تسلیم کرنے کا اعتبار نہیں۔

(۳) کوئی شخص بزور طاقت غلبہ کر لے اور حکم جمالے۔

ان تینوں صورتوں میں شرط ہے کہ عوام کو اس کے قہر وزور کا خوف ہو، اور وہ اپنی ان مخالفت کرنے والوں پر کوئی جبری کاروائی پر قدرت رکھتا ہو، ورنہ کسی صورت میں وہ امام نہ ہوگا۔ (الرد علی الدر ۶ / ۴۱۱ تا ۴۱۴)

مسئلہ بغاوت پر حضرت تھانویؒ کا تحقیقی و تفصیلی کلام

خروج علی الامام، یعنی بغاوت کی متعدد شکلیں وصورتیں ہیں، اس موضوع پر حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کا ایک مفصل، تحقیقی فتویٰ ہے، جس میں بغاوت کی ممکنہ ومتصورہ شکلوں کو بیان کیا گیا ہے، جسے جزوی ترمیم اور کچھ تسہیل اور عناوین کی زیادتی کے ساتھ درج کیا جاتا ہے:

وہ امور جو امامت میں مخل ہیں، مجموعی طور پر یہ شکلیں ہیں: (۱) اپنے آپ حکومت سے مستعفی ہوجانا (۲) غیر اختیاری طور پر کوئی مانع کا پایا جانا (۳) کفر، خواہ امامت سے پہلے کا ہو یا بعد میں (۴) فسق غیر متعدی (۵) فسق متعدی جو مال کی حد تک ہو اور اجتہادی ہو، (۶) فسق متعدی مال کو ظلماً بلا تاویل چھیننا (۷) فسق متعدی جو مال سے بڑھ کر دین، جان یا آبرو تک پہونچا ہوا ہو۔

امامت میں مخل سات امور

یہ کل سات قسمیں ہیں امور مخلہَ امامت کی، جن کی مختصر تفصیل یہ ہے:

قسم اول: عذر اختیاری، یعنی امام اپنے آپ کو بلا سبب امامت سے معزول کر لے، مستعفی ہوجائے۔

قسم ثانی: عذر غیر اختیاری، جیسے کسی ایسے مرض میں مبتلاء ہوجائے جو اعمال اِمامت سے مانع ہو، جیسے جنون، یا اندھا، بہرا، گونگا ہوجانا، یا کفار کے ہاتھوں اس طرح اسیر وقید ہوجانا کہ زمانہ ضرورت تک اس کی خلاصی کی امید نہ ہو، یا اس میں کام کرنے کی صلاحیت نہ ہو، یا نہ رہے، یا رعایا کو دبا نہ سکے۔

قسم ثالث: نعوذ باللہ کافر ہوجائے، خواہ بکفرِ تکذیب وجحود، خواہ بکفرِ عناد ومخالفت،

خواہ بکفرِ استخفاف واستقباحِ امور دین، یہ امورِ دین خواہ اصول ہوں، یا فروع، فرائض وواجبات ہوں یا سنن ومستحبات، عبادات ہوں یا عادات، حتیٰ کہ عمامہ کی ہیئت مسنونہ، قصداً استخفاف ہو یا دلالۃً۔

البتہ اگر معزول کئے جانے سے پہلے توبہ کرلے تو کفر کا حکم مرتفع ہوجائے گا، احکام آخرت میں تو فوراً، اور احکام دنیویہ میں جب کہ قرائن وآثار سے اخلاص فی التوبہ پر قلب شہادت دے۔

کما صرح بهذاالشرط فی توبة قاطع الطریق والمرتد بقولهم حتی یتوب لابالقول، بل یظهر سیماالصلحاء. (درمختار ۶/۱۸۵)، وبقولهم: حتی یظهر علیه التوبة. وبقولهم حتی یظهر علیه آثار التوبة ویری انه مخلص (ردالمحتار ۶/۳۶۰)، وبقولهم حتی یری علیه خشوع التوبة وحال المخلص کذا فی الدر المختار وردالمحتار.

اور توبہ کے آثار مشاہد ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ مرتد اور قاطع طریق وغیرہ کے ضرر سے مسلمان محفوظ رہیں، کیونکہ بصورت دیگر یہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور یہ ضرر حاکم میں تو ان لوگوں سے بھی بڑھا ہوا ہے، لہٰذا حاکم کی توبہ کے لئے یہ بدرجۂ اولیٰ شرط ہوگا۔

قسم رابع: ایسا فسق اختیار کرے جو اس کی ذات تک محدود رہے، جیسے زنا، شرب خمر وغیرہ میں مبتلاء ہوجائے۔

قسم خامس: ایسا فسق اختیار کرے جس کا اثر دوسروں تک متعدی ہو، جسے ظلم کہتے ہیں، اور اس کا محل صرف مال ہو، یعنی لوگوں کے مال ناحق لینے لگے، مگر اس میں اشتباہ جواز کا بھی ہوسکتا ہے، جیسے مصالح سلطنت کے نام سے ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگے۔

قسم سادس: یہی مالی ظلم کرے، مگر اس میں جواز کا شبہ بھی نہ ہو، بلکہ صریح ظلم ہو۔

قسم سابع: فسق متعدی، یعنی ظلم اختیار کرے، اور اس کا محل مظلومین کا دین، جان

وآبرو ہو، یعنی ان کو معاصی پر مجبور کرے، مگر یہ فسق اسی وقت تک ہے جب کہ اس کا منشاء استخفاف یا استقباح دین، اور استحسان کفر یا معصیت نہ ہو، بلکہ اغاظت مکرہ ہو - جیسا اکثر کسی خاص وقتی اقتضاء سے کسی خاص شخص پر اکراہ کرنے میں ایسا ہی ہوتا ہے - ورنہ یہ بھی حقیقۃً کفر ہے، اور قسم ثالث میں داخل ہے، یا فی الحال تو منشاء اکراہ کا استخفاف وغیرہ نہ ہو، لیکن اکراہ عام بشکل قانون، ایسے طور پر ہو کہ ایک مدت تک اس پر عمل ہونے سے فی المآل ظن غالب ہو کہ طبائع میں استخفاف پیدا ہو جائے گا، تو ایسا اکراہ بھی بناء بر اصل مقدمۃ الشی بحکم ذلک الشی بحکم کفر ہوگا۔

(چنانچہ فقہاء کا اذان وختان کے - جو کہ سنن میں سے ہیں - ترک عام کو استخفاف دین یا موجب محاربہ تارکین فرمانا، صریح دلیل ہے ایسے عموم کے بحکم کفر ہونے کی، ملاحظہ ہو درمختار ورد المحتار باب الاذان، ومسائل شتیٰ حکم ختان۔)

یہ سب سات قسمیں ہوئیں، اب ان کے احکام لکھے جاتے ہیں، اولاً عبارات فقہاء کی نقل کرتا ہوں پھر احکام بیان کروں گا، اور ساتھ ہی ساتھ مواقع استدلال کی طرف اشارہ کردوں گا۔

ان سات قسموں کے احکام

العبارۃ الاولی :ویکرہ تقلید الفاسق ،و یعزل بہ ،الا للفتنۃ.قولہ ویعزل بہ.ای بالفسق لو طرأ علیہ، و المراد انہ یستحق العزل کما علمت آنفاً، و لذا لم یقل :ینعزل.(ردالمحتار ۲/ ۲۷۲)

العبارۃ الثانیہ:فان بایع الناسُ الامامَ و لم ینفذ حکمہ فیھم لعجزہ عن قھرھم لا یصیر اماماً فاذا صار اماما فجاز، لاینعزل ان کان لہ قھر و غلبۃ، لعودہ بالقھر فلا یفید و الا ینعزل بہ؛ لانہ مفید. خانیہ. و تمامہ فی کتب الکلام.قولہ: فلا یفید ای لایفید عزلہ.قولہ :و الا ینعزل بہ ای ان لم یکن لہ قھر و منعۃ ینعزل بہ

ای بالجور.(ردالمحتار ۶/ ۴۱۴)

العبـارۃ الثالثہ: قال فی شرح المقاصد: ینحل عقدۃ الامامۃ بمایزول به مقصود الامامة ؛ كالردة ، والجنون المطبق ، وصيرورته اسيراً لا يرجى خلاصه، كذا بالمرض الذی ینسیه المعلوم ، و بالعمی ، و الصمم، و الخرس ، و كذا بخلعه نفسه لعجزه عن القيام بمصالح المسلمين و ان لم یکن ظاهرا بل استشعره من نفسه ، و عليه يحمل خلع الحسن رضی اللہ عنہ نفسه ، و اما خلعه لنفسه بلاسبب ففيه خلاف ، و كذا فی انعزاله بالفسق ، و الاكثرون علی انه لا ينعزل ، وهو المختار من مذهب الشافعي و ابی حنيفه رحمهما الله تعالى ، وعن محمد روايتان ، و يستحق العزل بالاتفاق.(ردالمحتار ۶/ ۴۱۵)

العبـارۃ الرابعہ: و قال فی المسايرة : و اذا قلد عدلا ثم جار و فسق لا ينعزل ، ولكن يستحق العزل ان لم يستلزم فتنة.(ردالمحتار ۶/ ۴۱۵)

العبـارۃ الخامسہ: وفی المواقف و شرحه: ان للأمة خلع الامام وعزله بسبب يوجبه ، مثل ان يوجد منه ما يوجب اختلال احوال المسلمين و انتكاس امور الدين كما كان لهم نصبه و اقامته لانتظامها و اعلائها ، و ان ادى خلعه الى فتنة احتمل ادنى الضرتين.(ردالمحتار ۶/ ۴۱۵)

العبـارۃ السادسہ: فاذا خرج جماعة من المسلمين عن طاعة -الى قوله- حل لنا قتالهم .ومن دعاه الامام الى ذلک ای الی قتالهم افترض عليه اجابته ،لان طاعة الامام فيما ليس بمعصية فرض ، فكيف فيماهو طاعة؟بدائع. لو قادراًو الالزم بيته.درر.(الدرالمختار ۶/ ۴۱۵-۴۱۶)

العبـارۃ السابعہ: وفی المبتغی :لو بغوا لاجل ظلم السلطان و لا يمتنع عنه لا ينبغی للناس معاونة السلطان ، و لا معاونتهم.(ردالمحتار ۶/ ۴۱۶)

العبارۃ الثامنہ: قوله: (افترض عليه اجابته) ثم اذا امر العسكر بامر فهو على اوجه: ان علموا انه نفع بيقين اطاعوه، وان علموا خلافه كاَنْ كانَ لهم قوة وللعدو مدد يلحقهم لايطيعونه، وان شكوا لزمهم اطاعته، وتمامه في الذخيرة. قوله (وفي المبتغى الخ) موافق لما مر من جامع الفصولين، ومثله في السراج، لكن في الفتح: ويجب على كل من اطاق الدفع ان يقاتل مع الامام، الا ان ابدوا مايجوز لهم القتال، كان ظلمهم او ظلم غيرهم ظلماً لاشبهة فيه، بل يجب ان يعينوهم حتى ينصنهم ويرجع عن جوره. (ردالمحتار ۶/۴۱۶)

العبارۃ التاسعہ: بخلاف ما اذا كان الحال مشتبها ؛انه ظلم، مثل تحميل بعض الجبايات التي للامام اخذها، والحاق الضرربها، لدفع الضرر اعم منه. (ردالمحتار ۶/۴۱۶)

العبارۃ العاشرہ: قلت: ويمكن التوفيق بان وجوب اعانتهم اذا امكن امتناعه عن بغيه، والا فلا، كمايفيده قول المبتغى، ولا يمتنع عنه. تامل.

(ردالمحتار ۶/۴۱۶)

(البغاة شرعاً هم الخارجون عن الامام الحق بغير حق، فلو بحق فليسوا ببغاة، وتمامه في جامع الفصولين) حيث قال في اول الفصل الاول: بيانه ان المسلمين اذا اجتمعوا على امام وصاروا آمنين به، فخرج عليه طائفة من المومنين، فان فعلوا ذلك لظلم ظلمهم به، فهم ليسوا من اهل البغي، وعليه ان يترك الظلم وينصفهم، ولا ينبغي للناس ان يعينوا الامام عليهم ؛لان فيه اعانة على الظلم، ولا ان يعينوا تلك الطائفة على الامام ايضاً لان فيه اعانة على خروجهم على الامام. (ردالمحتار ۶/۴۱۱)

اب ہر قسم کا حکم بیان کرتا ہوں:

قسم اول کا حکم: جب امام بلا کسی سبب از خود مستعفی ہو جائے، تو اس کے معزول ہونے میں اختلاف ہے۔ لقوله في العبارة الثالثة: اما خلعه بنفسه بلا سبب ففيه خلاف.

قسم ثانی کا حکم: غیر اختیاری ایسا عذر جو امامت کی ذمہ داری سے مانع بن جائے، اس سے بھی معزول ہو جائے گا۔ لقوله في العبارة العبارة الثانية: لعجزه عن قهرهم لا يصير اماما .وفي العبارة الثالثة :والجنون المطبق-الى قوله -بمصالح المسلمين.

قسم ثالث کا حکم: کفر طاری ہونے کی صورت میں، خواہ کفر کی کوئی شکل ہو معزول ہو جائے گا، اور اگر جدا نہ ہو بشرط قدرت جدا کر دینا علی الاطلاق واجب ہے۔ لقوله في العبارة الثالثة: كالردة.

مگر اس میں شرط یہ ہے وہ کفر متفق علیہ ہو، بدليل الحديث :الا ان تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان. مع انضمام الاجماع المذكور سابقا.

اور جس طرح اس کا کفر ہونا قطعی ہو اسی طرح اس کا صدور بھی یقینی ہو مثل رویت عین کے، محض روایات ظنیہ، یا افواہی باتوں پر اعتماد جائز نہیں۔ كما دل عليه قوله عليه السلام: الا ان تروا، المراد به روية العين، بدليل تعديته الى مفعول واحد.

تنبیہ: کس امر کی کفر پر دلالت، یا اس امر سبب کفر کا ثبوت، موقع محل اور الفاظ کے اختلاف قرائن سے مختلف فیہ ہو سکتا ہے، اور خود قطعیت بھی کبھی مختلف فیہ ہو سکتی ہے، كحرمة متروك التسمية عامدا، اسی طرح کبھی اجماع مختلف فیہ ہو سکتا ہے، چنانچہ فسق سے معزول نہ ہونے پر جو اجماع ہے، خود یہ اجماع بھی مجمع علیہ نہیں ہے۔ کماقال

النووی فی باب وجوب طاعة الامراء من شرح مسلم :قال القاضی :وقدادعی ابوبکر بن مجاهد فی هذا الاجماع ،وقد اورد علیه بعضهم هذا -الی قوله -وقیل: ان هذا الخلاف کان اولاً ،ثم حصل الاجماع علی منع الخروج علیهم. واللہ اعلم

اس صورت میں ہر عامل اپنے عمل میں معذور ہوگا،اسی طرح ایک اور صورت میں بھی اختلافِ رائے ممکن ہے،وہ یہ کہ عبارت خامسہ میں تعارض مصالح کے وقت اخف المضر تین (کم درجہ کے نقصان) کے تحمل کا حکم دیا گیاہے،توممکن ہے کہ دوشخصوں کا اجتہاد متعدد امور میں سے کسی اخف واشد ہونے میں مختلف ہو۔

قسم رابع کا حکم: اگراس کے ایسے فسق سے جو اسی کی ذات تک محدود ہے کے باعث بغیر کسی فتنہ کے آسانی سے معزول کردینا ممکن ہو،معزول کردیا جائے،اگرفتنہ کا اندیشہ ہوصبر کیا جائے لقوله فی العبارة الاولی :ویعزل به الاالفتنة الخ،ولقوله فی العبارة الرابعة:ولکن یستحق العزل ان لم یستلزم فتنة.

اوراگرایسی صورت میں امام پرکوئی خروج کرے توعامہ مسلمین پراس کی نصرت واجب ہے،خاص کرجب امام حکم بھی کرے۔لقوله فی العبارة السادسه :فاذاخرج جماعة من المسلمین.الخ۔

قسم خامس کا حکم: مالی ظلم کئے جانے کی صورت میں اطاعت کرے۔لقوله فی العبارة التاسعة:بخلاف ما اذا کان الحال مشتبهاً.الخ۔

قسم سادس کا حکم: اپنے اوپر سے دین،جان،آبرواور مال کے صریح ظلم کا دفع کرے،اگرچہ قتال کی نوبت آجائے۔قوله فی العبارة الثامنة :الاان ابدوا مایجوز لهم

القتال. الخ. ولقوله في العبارة العاشرة: فان فعلوا ذٰلک لظلم ظلمهم به. الخ۔

اور صبر بھی جائز ہے، بلکہ غالباً اولی ہے، لظاهر ماروى مسلم عن حذيفة رضی اللہ عنہ في حديث طويل اخبر فيه عن ائمة الجور: قلت كيف اصنع يا رسول الله! ان ادركت ذلک؟ قال صلی اللہ علیہ وسلم: تسمع وتطيع وان ضرب ظهرک واخذ مالک، فاسمع واطع (باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين). قال النووي: وفي حديث حذيفة هذا لزوم جماعة المسلمين امامهم ووجوب طاعته وان فسق وعمل المعاصي من اخذ الاموال وغير ذلک فتجب طاعته في غير معصية.

اور اوپر کی ثامن وعاشر عبارتوں میں جو جوازِ قتال اور ان مقاتلین کا باغی نہ ہونا مذکور ہے، یہ قتال للخروج نہیں، بلکہ للدفاع اور حدیث میں جو فاسمع واطع کا امر ہے، جو ظاہراً وجوب کے لئے ہے، یہاں سمع وطاعت کے واجب ہونے کے معنیٰ ہیں: ترکِ خروج، تو ان عبارات اور حدیث میں تعارض نہیں، مگر چونکہ یہ دفاع بھی صورۃً خروج تھا، لہٰذا صبر کی اولویت ظاہر کہ اس میں اپنے دین کا شبہات سے استبراء ہے، جس کی فضیلت احادیث میں آئی ہے، اور یہ حکم تو خود مظلومین کے قتال کا تھا، باقی دوسروں کے لئے امام کے مقابلے میں ان مظلومین کی اعانت کرنا، یا ان کے مقابلے میں امام کی اعانت کرنا، تو امام کی اعانت کرنا تو اس ظلم کی صورت میں بالاتفاق حرام ہے، باقی مظلومین کی اعانت کرنے کے بارے میں جامع الفصولین اور فتح کی عبارات سابعہ وثامنہ میں اختلاف ہے، شامی نے مبتغی کی عبارت سے دونوں میں تطبیق دی ہے کہ اگر امام کا اپنے ظلم سے باز آنے کا امکان ہو، یا کسی دوسرے اس سے بڑے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، تو مظلومین کی مدد کرے، ورنہ کسی کی مدد نہ کرے، دونوں گروہوں سے علیحدگی اختیار کرے۔

قسم سابع کا حکم: یہ قسم اکراہ کے مسائل سے تعلق رکھتی ہے، جو اکراہ کے ابواب سے حل کیا جائے۔

بعض سطحی شبہات اور ان کے جوابات:

شبہ اولیٰ: عبارت خامسہ سے معلوم ہوتا کہ اختلال مسلمین (مسلمانوں میں بدامنی) اور انتکاس امور الدین (دینی امور کا ابتر ہونا) جو کہ تمام مظالم کو شامل ہے، نیز موجب عزل ہے، پھر کفر کی کیا تخصیص رہی؟

جواب: اس کی انتہاء و درجۂ آخر فسق سے زائد نہیں ہے، اور اس کے موجب عزل ہونے میں عدم فتنہ کی قید ملحوظ ہے، جو اس عبارت میں بھی مصرح ہے، **فی قولہ: وان ادی خلعه الی فتنة احتمل ادنی المضرتین.** البتہ اگر انتکاس درجہ کفر ہی تک پہنچ جائے تو اس کا حکم کفر کا ہے۔

بلکہ خروج کی صورت میں جانوں کا تلف ہونا بھی بڑا ضرر ہے، اور ایک بڑا ضرر یہ بھی ہے کہ مسلمان فاسق بادشاہ کے بعد حکومت غیر مسلموں کے ہاتھوں چلی جائے، نیز یہ بھی بڑا ضرر ہے کہ نام تو حکومتِ اسلام ہو، لیکن اس میں اسلامی احکام ختم کر دئے جائیں، اور یہ بھی ایک بڑا فتنہ ہے کہ اس کو ہٹانے کے بعد اس سے بدتر شخص حاکم بن بیٹھے، (اسی بنا پر صرف فسق کی صورتِ حال میں خروج کے لئے ان تمام مضرات کے وقوع سے اطمینان شرط ہے)۔

شبہ ثانیہ: عبارت ثامنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی اطاعت اس کے مخالف کے مقابلے میں علی الاطلاق فرض نہیں، جیسا کہ عبارت سادسہ میں وجوب کا حکم کیا گیا ہے، بلکہ اس میں مصلحت اور عدم مصلحت سے فیصلہ کیا جائے گا، اس سے مخالفت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؟

جواب: اس میں مطلقاً مصلحت پر نظر کرنا مذکور نہیں، بلکہ اس کا حاصل صرف معصیت اور عدم معصیت پر نظر کرنا ہے، اور اس میں کسی کو کلام نہیں۔

(امداد الفتاوی ۵/ ۱۱۰ تا ۱۲۲، بوادر النوادر ۲/ ۷ ۵۳، تکملة فتح الملہم ۳/ ۲۷۱)

فتویٰ کا خلاصہ چند دفعات میں

مذکورہ فتویٰ میں، جو اس موضوع کی تقریباً تمام نصوصِ شرعیہ وفقہیہ کا لبِ لباب ہے، مندرجہ ذیل امور معلوم ہوتے ہیں:

(۱) کافر بادشاہ پر امارت کا انعقاد نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس کی مخالفت کسی بھی حال میں بغاوت کہی جائے گی۔

(۲) فسق اپنی تمام اقسام کے ساتھ سبب عزل ہے، البتہ مخالفت کے لئے عدم فتنہ شرط ہے۔

(۳) اگر فتنہ کا اندیشہ ہو اور فسق غیر متعدی ہو، تو صبر کرے، ہاں اصولی طور پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا جائے۔

(۴) فسق متعدی اگر ایذاء جسمانی اور مالی ظلم تک محدود ہے، تب بھی صبر اولی ہے، دفاع بھی بلا کراہت جائز ہے۔

(۵) فسق متعدی اگر تغییر وتحریف دین، یا آبرو اور جانی ظلم ہو تو کم از کم اپنا دفاع فرض ہے، کیونکہ حدیث پاک میں صبر کی حد ایذائے جسمانی وظلمِ مالی تک ہی بیان فرمائی ہے (وَاِنْ ضَرَبَ ظَهْرَکَ وَاَخَذَ مَالَکَ. رواہ مسلم)۔

(۶) دوسروں کے لئے مظلومین کی مدد اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ ظالم حاکم کے اپنے ظلم سے باز آنے کی توقع ہو، اور اس بات کا بھی اطمینان ہو کہ کوئی اس بھی بڑا فتنہ نہ پیدا ہو۔

(۷) بغاوت کے مسائل کا ایک بڑا حصہ تنقیح وتحقیق یعنی اجتہاد پر موقوف ہے، اس لئے جسے کسی بات پر انشراح نہ ہو، اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ مبتلاء بہ پر طعن وتشنیع کرے، اور اس کی مذمت کرے، ہاں اگر کسی جانب کا بطلان واضح ہو تو اور بات ہے۔

(۸) اگر ظالم کے ظلم سے باز آنے کی توقع ہو، اور دوسرے کسی بڑے فتنہ کا بھی اندیشہ نہ ہو، تو اطلاقاتِ نصوص کے پیش نظر نکیر ضروری ہے۔

چوروں کے مقتول شہید ہے

رات کے وقت چوروں نے کسی کو قتل کر دیا ہو تو اس کے لئے بھی شہید کامل کے احکامات ہوں گے، (یہ جب ہے کہ مقتول کی طرف سے دفاع ومنازعت نہ ثابت ہوئی، ہو کیوں کہ وہاں شہادت بمدافعت ہوگی، جیسے آگے آنے والا ہے، لیکن) اتنا معلوم ہو کہ کسی جگہ یا مکان پر چوروں کا گذر ہوا ہے، اور پھر اسی جگہ ان کے ہاتھوں کوئی مقتول پایا گیا تو مرنے والے کے لئے شہید کے احکامات ہوں گے۔

چوروں کے گذر کی تصدیق ان کو دیکھ کر بھی ہو سکتی ہے، جبکہ یہ ضروری نہیں کہ نام وشکل سے ان کو پہچان ہی لے، اور چوری کی تصدیق سے بھی ہو سکتی قتل کی نوعیت کچھ بھی رہی ہو، عمد یا غیر عمد، نیز چوری میں نصاب سرقہ - دس درہم - سے زائد کی تصدیق ہو یا کم کی، رات کے وقت چوروں کے ہاتھوں قتل ہونے والا بہرصورت شہید ہوگا۔

عن الشعبی: فی رجل قتله اللصوص قال یدفن فی ثیابه و لا یغسل.

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم ۱۱۱۱۴، ۷/ ۱۵۲)

ولو نزل علیه اللصوص لیلا فی المصر فقتل بسلاح او بغیره او قتله قطاع الطریق خارج المصر بسلاح او بغیره فهو شهید، لان القتل لم یخلف فی هذه المواضع بدلا هو مال. (البدائع ۲/ ۶۶)

(او لم یعلم قاتله) او علم و لم یجب القصاص، فان وجب کان شهیدا،

كمن قتله اللصوص ليلا فى المصر ،فانه لا قسامة و لا دية فيه للعلم بان قاتله اللصوص ،غاية الامر ان عينه لم تعلم ،فليحفظ فان الناس عنه غافلون: قال ابن عابدين: اصل ذلك لصاحب البحر حيث قال بعد ما مر عن البدائع: و بهذا يعلم ان من قتله اللصوص فى بيته و لم يعلم له قاتل معين منهم لعدم وجودهم فانه لا قسامة و لا دية على احد ، لانها لا يجبان الا اذا لم يعلم القاتل ، و هنا قد علم ان قاتله اللصوص و ان لم يثبت عليهم لفرارهم ، فليحفظ فان الناس عنه غافلون.

(رد المحتار على الدر المختار ۳/ ۱۶۲، البحر الرائق ۲/ ۱۹۹)

دن میں آبادی کے اندر چوری اور قتل

اگر دن میں چوری کی واردات ہوئی اور آلۂ قتل کا استعمال نہیں ہوا تو مرنے والا شہید نہ ہوگا، دن میں قتل عمد اور آلۂ قتل شرط ہے، یعنی اگر آلۂ قتل استعمال ہوا ہے تو مقتول شہید ہوگا، ورنہ نہیں۔

بان قتله فى المصر نهارا بعصا صغيرة او سوط او وكزه باليد او لكزه بالرجل لا يكون شهيدا ، لان الواجب فى هذه المواضع هو المال دون القصاص و ذا دليل خفة الجناية ، فلم يكن فى معنى شهداء احد ، لان غير السلاح مما يلبث فكان بحال لو استغاث لحقه الغوث ، فاذا لم يستغث جعل كانه اعان على قتل نفسه.(البدائع ۲/ ۶۶، البحر الرائق ۲/ ۱۹۹)

(او قتله اللصوص ليلا ولو بمثقل او نهارا) اى بسلاح كما افاده فى الشرح.(حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ۶۲۵)

باب ثالث
فصل
نوع ثانی کی پہلی دو شرطیں

چھٹی شرط مقتول کا مظلوم ہونا

اس باب میں ذکر ہونے والی صورتوں میں پچھلی پانچ شرائط کے ساتھ مزید چھٹی شرط یہ ہے کہ مقتول مظلوم ہو، اس شرط سے وہ صورتیں خارج ہوجائیں گی جن میں مرنے والا مظلوم نہیں، جیسے حد، یا قصاص، یا تعزیرات میں مارا جانے والا، اسی طرح وہ شخص بھی شہید نہیں جو خود بخود کسی حادثہ کا شکار ہوجائے، یا اسے کسی جانور نے ہلاک کردیا، ان تمام صورتوں میں مقتول مظلوم نہیں اور شہید بھی نہیں، نیز وہ شخص جو کسی دوسرے پر زیادتی کرے اور پھر خود مار دیا جائے وہ مظلوم نہیں، بلکہ ظالم ہے، اس لئے شہید نہ ہوگا۔

کل مسلم مکلف قتل ظلما. الخ (خانیہ ۱/۱۸۶)

ومنها: ان یکون مظلوما حتی لو قتل بحق فی قصاص او رجم لا یکون شهیدا ..... وکذلک من مات من حداو تعزیر او عدا علی قوم ظلما فقتلوه لا یکون شهیدا، لانه ظلم نفسه وکذا لو قتله سبع لانعدام تحقق الظلم.

(البدائع ۲/۶۶)

وذکر فی المجتبی والبدائع ان الشرائط ست: (منها) القتل ظلما.

(البحر الرائق ۲/۱۹۷)

ساتویں شرط قاتل کا معلوم ہونا

اگر ظلماً قتل ہوا تو قاتل کا معلوم و متعین ہونا بھی ضروری ہے، کیونکہ تبھی یہ بات طے ہو پائے گی کہ مقتول مظلوم تھا، ورنہ قاتل متعین نہ ہونے کی صورت میں جس طرح مقتول کا مظلوم ہونا محتمل ہے، اسی طرح اس کا ظالم ہونا بھی ممکن ہے، کہیں یہی تو ظالم نہ تھا جو مار دیا گیا، اس لئے قاتل کا معلوم ہونا لازم ہے۔

ولم يعلم قاتله لعدم تحقق كون قتله ظلماً ولوجوب الدية.

(ردالمحتار ۳/ ۱۶۲، مجمع الانہر ۱/ ۲۷۹)

قاتل معلوم ہونے کی صورت

قاتل کے معلوم و متعین ہونے کے لئے لازم ہے کہ کم ازکم دو مسلمان، عاقل و بالغ اور عادل یہ بیان دیں کہ انہوں نے واردات قتل کو دیکھا ہے۔

عادل اس شخص کو کہتے ہیں جو گناہ کبیرہ سے بچتا ہو، اور صغیرہ گناہوں پر مصر نہ ہو، اور اس کی اچھائیاں برائیوں پر غالب ہوں، اور صواب خطا سے زیادہ ہو۔

اسی طرح قاتل نے خود ظلماً قتل کا اقرار کرلیا ہو، تو وہ بھی قبول ہوگا۔

اقرارِ قاتل، یا دو عادل شخصوں کی شہادت کے بغیر صرف ایک آدمی کے بیان سے، یا قرائن سے خواہ کتنے ہی قوی کیوں نہ ہوں، شرعاً قاتل معلوم و متعین نہیں ہوتا۔

واما ما يندرئ بالشبهات فقد روى عن ابى يوسف في الامالي: ان خبر الواحد فيه حجة ايضاً، وهو اختيار الجصاص وكان الكرخي يقول: خبر

الواحد لایکون فیه حجة ......وجه القول الآخر ان فی اتصال خبر الواحد بمن یکون قوله حجة موجبة للعلم شبهة، و ماینذئ بالشبهات لایجوز اثباته بما فیه شبهة ؛ الاتری انه لایجوز اثباته بالقیاس :وانما جوزنا اثباته بالشهادات بالنص، وهو قوله تعالی (فاستشهدوا علیهن اربعة منکم)،وما کان ثابتا بالنص بخلاف القیاس لایلحق به مالیس فی معناه من کل وجه و خبر الواحد لیس فی معنی الشهادة من کل وجه.(اصول السرخسی ۱/ ۲۵۰)

قال فی الذخیره: واحسن ماقیل فی تفسیر العدالة : ان یکون مجتنبا للکبائر، و لایکون مصرا علی الصغائر ،ویکون صلاحه اکثر من فساده، وصوابه اکثر من خطاءه.(ردالمحتار ۸/ ۱۷۸)

فصل

دفاعی شہادت کی متعدد صورتیں

مرنے والے کے لئے مندرجہ ذیل صورتوں میں بھی شہید کے احکام ہوں گے:

(۱) اپنے دین کے دفاع میں قتل (۲) اپنی جان کے دفاع میں قتل (۳) اپنی آبرو کے دفاع میں قتل، اسی طرح وہ شخص جو کسی عورت کی آبرو کی حفاظت میں قتل ہو جائے (۴) اپنے مال کے دفاع میں قتل (۵) اپنے گھر والوں یا کسی معصوم الدم مسلمان کے دفاع میں قتل (۶) اسی طرح کسی ذمی کے دفاع میں قتل (۷) مسلمانوں کی دو جماعتوں میں قتال ہو، جس میں سے ایک کا ظلم یقینی ہو، وہاں جماعت مظلومہ کے مقتول شہید ہوں گے۔

ان اسباب کے دفاع میں مظلوم قتل ہونے والے کو شہید کامل کی طرح بلا غسل وکفن دفن کیا جائے گا، خواہ قتل میں آلہ قتل کا استعمال ہوا ہو یا نہیں، قتل عمد کی طرح دیگر صورتوں میں بھی مرنے والا شہید ہوگا۔

وکذلک من قتل مدافعا عن نفسہ، او مالہ، او اھلہ فھو شھید، قال النبی ﷺ: من قتل دون مالہ (او اھلہ) فھو شھید. الخ.

(المحیط البرھانی رقم: ۲۳۹۶، ۳/ ۵۳ ادارۃ القرآن والعلوم کراچی)

وفی مختصر التجنیس خواھر زادہ: او یقتل دون مالہ او دون نفسہ او دون رجل من المسلمین، او اھل الذمۃ، م (المحیط البرھانی): بای آلۃ قتل .الخ.

(التاتارخانیہ رقم: ۳۶۱۷، ۳/ ۱۷)

او قتل مدافعا عن نفسه اوعن ماله اوعن اهله او واحد من المسلمين او اهل الذمة فهو شهيد، بسلاح او غيره لاستجماع شرائط الشهادة فى حقه، فالتحق بشهداء احد. (البدائع ۲/ ۷۰)

لكن بقى من قتل مدافعا عن نفسه او عن ماله او اهل الذمة من غير ان يكون القاتل واحدا من الثلاثة فى الكتاب، فان المقتول شهيد كما صرح به فى المحيط وعطفه على الثلاثة وجعله سببا رابعا ولايمكن دخوله تحت قوله ''او قتله مسلم ظلماً'' لان المدافع المذكور شهيد باى آلة قتل بحديدة او حجر او خشب، كما صرح به فى المحيط.

(البحر الرائق ۲/ ۱۹۷، الهندیہ ۱/ ۱۶۸، ردالمحتار ۳/ ۶۰)

مسلمان کی جان، مال، آبرو محترم ومعصوم ہیں، ان پر ناحق دست درازی کسی کے لئے جائز نہیں لیکن اگر کوئی ان حرمتوں کی پامالی کرے، یا ان کو نقصان پہنچانا چاہے، تحفظ ختم کرنے کا ارادہ کرے، سب سے پہلے اسی مظلوم کا فریضہ ہے کہ اپنا دفاع وتحفظ کرے اور ان کو ضائع ہونے سے بچائے، امام وقت یا دوسرے مسلمانوں پر بھی اس کے تحفظ کی ذمہ داری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان کو واقعہ معلوم ہی ہو، یا ان کو ضیاع سے پہلے حفاظت کا موقع مل ہی جائے، اس لئے اپنی حفاظت ہر ایک پر فرض ہے۔

اور پھر جب کوئی انسان دوسرے سے تعرض کرتا ہے، ان پر دست درازی کرتا ہے، تو اس کے مقاصد جان، مال اور آبرو میں ہی دائر ہوا کرتے ہیں، اور جب ہر قتل ہونے والا انہیں مقاصد کے تحت مارا جاتا ہے تو ہر مقتول ہی شہید ہونا چاہئے؟ حالانکہ ایسا نہیں، کیونکہ شہادت کی بنیاد مظلومیت پر ہے، شہید مظلوم ہوتا ہے، اور اس کا مظلوم ہونا اس وقت واضح ہوگا جب کہ ظلم کے وقت وہ اپنا دفاع کرے، ان حرمتوں کے تحفظ کی کوشش کرے،

چنانچہ اس کا دفاع یہ ثبوت ہوگا کہ یہ حق پر ہے اور دوسرا ناحق وظالم ہے۔

اور چونکہ مسلمان کی جان مال آبرو کا احترام کلمہ اسلام کہنے، اور دین اسلام قبول کرنے کی بنیاد پر ہے، تو خود اسلام کا تحفظ بھی ضروری ہوا۔

دفاع کے معنیٰ

احادیث میں دفاعی قتل کی صورتیں بیان ہوئی ہیں، لیکن دفاع کے معنی کا تعین بھی خود حدیث پاک سے ہو جاتا ہے، وہ اس طرح کہ یہ تو وارد ہوا ہے کہ اپنے دین، جان، آبرو اور مال کے دفاع میں مارا جائے تو شہید ہے اور دفاع کب ہے؟ اس کا بیان ایک حدیث پاک میں واضح کیا گیا ہے:

عَن عَبْدِاللّٰهِ بنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَن اُرِيدَ مَالُهُ بِغَيْرِ حَقٍ فَقَاتَلَ فَقُتِلَ فَهُوَ شَهِيد. (ترمذی ۱/ ۲۶۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کا مال ناحق چھینا جائے، اور وہ شخص اس کی حفاظت کرتے قتل کر دیا جائے تو وہ شہید ہے۔

یہاں حدیث پاک میں دفاع کا موقع بیان کر دیا گیا کہ جب کوئی ناحق مال چھینے تو صاحب مال پر دفاع ضروری ہے۔

تو دفاع کے معنی یہ ہوئے کہ ناحق و باطل مطالبہ پر آمادہ نہ ہونا، اور اس سے بچنے بچانے کی کوئی تدبیر کرنا، اور اس تدبیر تحفظ کے بعد بھی وہ مار دیا گیا تو وہ مظلوم ہے اور شہید مرا۔

دفاع کی قید سے احتراز اس صورت سے ہے جب کہ تعرض و دست درازی کے

وقت بچاؤ کی تدبیر نہ کی ہو، بلکہ تسلیم وتسلم کا معاملہ رہا کہ یہ شخص حق پر ہوتے بھی خود پر ہونے والے ظلم کو نہ روکے، اور اس ناحق اور ظالمانہ امر کی مخالفت نہ کرے، چنانچہ ایسا شخص مدافع نہیں کہلائے گا، اگر چہ اس کی یہ تسلیم برضا ورغبت نہیں لیکن اس کی یہ عدم رضا اس کے دل و دماغ تک محفوظ ہے، اس کے علاوہ ظاہر میں عدم رضاو مظلومیت کی کوئی دلیل نہیں، اسی حدیث پاک میں ''فَقَاتَلَ'' یا ''قَاتِل'' وغیرہ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔

لہٰذا صرف عدم رضا دفاع نہیں، دفاع ظاہری مراد ہے، بلکہ بلا ظاہری دفاع خود پر ہونے والے ظلم کو سہنا یہ احتمال پیدا کرتا ہے کہ کہیں دوسرا شخص برحق تو نہیں، جب تک اپنا دفاع نہ ہوا ہو اس وقت تک اس کی مظلومیت محتمل ہے واضح نہیں، اور بلا دفاع کوئی قتل کیا گیا تو وہ اس زمرے مدافعت میں نہ آئے گا کہ وہ شہید ہو۔

(دفاع کے لئے کیا صورتیں اختیار کی جائیں ان کا بیان باب اول میں گذر چکا۔)

دفاع کی حقیقت اور اس کا محل

یہ معلوم ہوگیا کہ دفاع ظلم ہی سے ہوگا، خواہ اپنی جان، آبرو یا مال کا ہو، یا کسی دوسرے کا دفاع، لیکن دفاع عین ظلم سے ہے، حقیقۃ ظلم کے وقت تحفظ کرنا دفاع کہلائے گا، اور حقیقۃ ظلم وہ ہے جب کہ ظلم ہو رہا ہو، پہلے اور بعد میں دفاع مراد نہیں۔

وشرط الناصر :ان یکون عالما بکون الفعل ظلماً،ویقع النصر مع وقوع الظلم وهو حينئذ حقيقة.

(فتح الباری ۵ / ۱۲۵، الکتب العلمیہ)

ترجمہ: مددگار کے لئے واقعہ کے ظلم ہونے کا علم ضروری ہے، اور حقیقی نصرت و دفاع اسی وقت ہے جب کہ ظلم ہو رہا ہو۔

قال العلماء :نصر المظلوم فرض ،واجب علی المومنین علی الکفایة، فمن قام به سقط عن الباقین ،ویتعین فرض ذلک علی السلطان ،ثم علی من له قدرة علی نصرته ، اذالم یکن هناک من ینصره غیره من سلطان و شبهه.(عمدۃ القاری ۱۲/ ۲۹۰)

ترجمہ: علماء نے بیان کیا ہے مظلوم کی دادرسی فرض ہے، مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، اگر کسی ایک نے یہ فریضہ ادا کردیا تو سب کی طرف سے ادائیگی ہوجائے گی، پھر یہ دفاع اس شخص پر تو فرض عین ہے جس کو اس کے ختم کرنے کی قدرت ہو، اور جب کہ وہاں بادشاہ یا اس کی پولیس وغیرہ موجود نہ ہو۔

قال الداودی: و فیه تفصیل؛ الوجوب اذا فجئه عدو و شبه ذلک، و الاستحباب فیما کان من اعانة فی شی من الدنیا، و قال ابن بطال : نصر المظلوم فرض کفایة و تتعین فرضیته علی السلطان.(عمدۃ القاری ۱۲/ ۲۸۹)

ترجمہ: علامہ داودی فرماتے ہیں: دفاع کے مسئلہ میں تفصیل ہے؛ اس وقت تو دفاع فرض ہے جب کسی مسلمان پر اچانک کوئی دشمن وغیرہ حملہ کردے، اور دوسرے دنیاوی معاملات میں اس کی اعانت استحباب کا درجہ رکھتی ہے، شارح بخاری علامہ ابن بطال مالکی فرماتے ہیں: مظلوم کی مدد ظلم کے وقت عام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، اور حاکم پر فرض عین ہے۔

پہلی عبارت مسئلہ پر واضح ہے دوسری اور تیسری عبارات میں اصالۃ فرضیت نصرت کا مسئلہ درج ہے، تاہم اس سے ضمناً نصرت و دفاع کا موقع محل بھی معلوم ہوگیا، کہ عین ظلم کے وقت فرضیت ِ دفاع بھی ہے۔

ثبوتِ دفاع ضروری ہے

لیکن اس مدافعت کے ثبوت کے لئے شرط ہے کہ اس دفاع کا علم ہو، یعنی اس دفاع کو دو آدمی دیکھنے والے ہوں، یا قاتل نے مقتول کے دفاع کا اقرار کیا ہو، ان دونوں میں سے کسی ایک ذریعہ سے بھی دفاع معلوم نہ ہوا تو محض قرائن سے دفاع کا علم ثابت نہ ہوگا، ورنہ جیسا پہلے گذر چکا کہ ہر مرنے والا جان مال وغیرہ ہی کے تحت مارا جاتا ہے۔

وذكر في البحر انه زاد في المحيط سببا رابعا،وهو من قتل مدافعا ولو عن ذمي فانه شهيد باى آلة قتل وان لم يكن واحدا من الثلاثة: اى ممن قتله باغ او حربي او قاطع طريق. وقال في النهر: كونه شهيدا وان قتل بغير محدد مشكل جداً لوجوب الدية بقتله، فتدبره ممعنا النظر فيه اه.قلت:يمكن حمله على ما اذا لم يعلم قاتله عيناً، كما لو خرج عليه قطاع الطريق او لصوص او نحوهم.

(ردالمحتار ۳/ ۱۶۰)

دین کا دفاع

اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ دین اسلام ہے، جو اس نے اپنے بندوں کے لئے منتخب کیا ہے، اور یہی اسلام آخرت میں ذریعہ نجات بننے کے لائق ہے، ایک مسلمان کلمہ پڑھنے والے کے لئے اپنی جان سے زیادہ اسلام کی حفاظت فرض ہے اسی لئے جہاد کی مشروعیت بھی ہوئی ہے کہ جہاد میں جتنی فتح محتمل ہے، اتنا ہی جان کا جانا، یعنی شہادت بھی محتمل ہے، تو چونکہ اسلام کی حفاظت سب سے مقدم اور اہم ہے، اس لئے اس کا دفاع بھی سب سے زیادہ ضروری ہے۔

چنانچہ اجتماعی دفاع تو جہاد کہلاتا ہے جس کے بہت سے شرائط ہیں، اس کے علاوہ جہاں یہ شرائط نہ ہوں، یا کسی کلمہ گو فرد یا جماعت پر یہ جبر کیا جائے کہ وہ اسلام سے پھر جائے، اس کو دین سے برگشتہ کیا جائے، فتنہ میں مبتلا کیا جائے، اسی طرح دین کے کسی قطعی مسئلہ کو بگاڑا جائے، اور نہ ماننے پر قتل یا کسی عضو کے تلف کی دھمکی دی جائے، ایسا شخص اگر زبان سے کلمہ کفر کہہ دے اور اس کا دل ایمان سے پر ہو تو اس کی گنجائش ہے، اگر اس نے دل سے کفر نہ اختیار کیا ہو تو کافر نہ ہوگا۔

مَن کفرَ باللهِ مِنْ بَعدَ اِیمانِہٖ الّا من اُکْرِہَ و قلبُہُ مُطْمَئِن بِالایمانِ و لٰکنْ مَنْ شَرَحَ بالکُفرِ صدراً فَعلیھِم غَضَب مِن اللهِ و لَھُم عَذاب عَظِیمٌ o (النحل ۱۰۶)

لیکن اگر کوئی باوجود گنجائش اور جان کے خطرہ کے، کفرِ ظاہری بھی نہ اختیار کرے، اسلام کو تھامے رہے، دیگر مذاہب سے برائت کا اظہار کرے اور اگر جان کی ضرورت ہو تو اس کی بھی بازی لگا دے، اور اپنا دفاع کرے تو یہ دفاع مظلومانہ ہوگا، مرنے والا شہید ہوگا۔

یہی حکم ہے جب کہ دین اسلام کے بارے میں کوئی باطل بات منسوب کی جائے تو اس سے بھی دفاع کرے، مگر اس غلط بات کے انتساب کو نہ قبول کرے۔

لان اجراء کلمة الکفر رخصة، ولیس بمباح، ولھذا لو صبر حتی قتل کان شھیدا. (الخانیہ ۳/۴۹۱)

جان آبرو اور مال کے دفاع میں قتل

جان، آبرو اور مال کے دفاع میں، یعنی کوئی ان سے ناحق تعرض کرے اور ظلم اور باطل طریقہ سے ان پر حملہ آور ہو، تو انسان کا شرعی فریضہ ہے کہ وہ اپنا تحفظ کرے اور اگر اس میں وہ مار دیا گیا تو شہید ہوگا۔

اہل ذمہ کا دفاع

دارالاسلام میں مسلمانوں کو جزیہ (اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلمین کی حفاظت چونکہ مسلمان کرتے ہیں، یہ جزیہ اسی حفاظت کا معاوضہ ہوتا ہے، جو صرف جوانوں سے وصول کیا جاتا ہے، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔) ادا کرکے ان کی ذمہ داری اور تحفظ میں رہنے والے غیر مسلمین کو اہل ذمہ یا ذمی کہا جاتا ہے، ان کے بہت سارے حقوق ہیں اور چونکہ امام المسلمین اور مسلمانوں نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوتا ہے، اس لئے ان کو بلا وجہ زک پہنچانا، ایذاء رسانی جائز نہیں، ایک حدیث پاک میں ہے:

عن النَّبیِ ﷺ قالَ مَنْ قَتَلَ نَفْساً مُعَاهِداًلَمْ یَرِحْ رَائِحةَ الْجَنَّۃِ وانَّ رِیحَھَا لَیُوجدُ مِن مَسیرۃِ اَربَعِینَ عاما۔ (بخاری شریف رقم ۲،۳۱۶۶/ ۸۵۹)

ترجمہ: حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی بے گناہ ذمی کو قتل کیا اس کو جنت کی خوشبو تک نصیب نہ ہوگی، جب کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت کی دوری سے محسوس ہونے لگتی ہے۔

عَن عَمرِو بنِ مَیمونٍ عن عُمر رضی اللہ عنہ قالَ: وَاُوصِیہِ بِذِمَّۃِ اللّٰہِ وذمَّۃِ رَسولِہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم ؛اَن یُّوفیٰ لَھُم بِعَھدِھِم، واَن یُقاتِلَ مِن وَّرائِھِم، ولا یُکَلَّفُوْا الَّاطاقَتَھُم۔ (بخاری شریف رقم ۲،۳۰۳۵/ ۸۲۵)

ترجمہ: عمرو بن میمون کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وفات

سے قبل فرمایا: میں وصیت کرتا ہوں اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ
داری پورا کرنے کا کہ ذمیوں کا عہدِ امان پورا کیا جائے، اور ان کے
دفاع میں قتال کیا جائے، اور ان کو طاقت سے زیادہ کا مکلف نہ بنایا
جائے۔

اس لئے کسی ذمی پر ہونے والے ظلم کو روکنا ایسا کہ امام ومسلمان کی ذمہ داری یہ شخص نبھا رہا ہے، اور یہ ذمہ داری بالواسطہ اللہ ورسول کا لیا ہوا عہد ہے، اس لئے ان کی حفاظت میں مارا جائے تو مقتول شہید ہوگا۔

ملاحظہ: ہندوستانی غیر مسلمین ذمی نہیں، اور نہ ہی ان کا دفاع ذمی کا دفاع کہلائے گا۔

اقدام کے بعد دفاع

ان تمام صورتوں میں دین، جان، آبرو ومال وغیرہ کے دفاع میں مرنے والا مقتول، مدافع اور مظلوم اس وقت کہلائے گا جب کہ اقدام ظالم کی طرف سے ہوا ہو، اور مقتول بچنے بچانے میں مارا جائے تو شہید ہوگا، اور اگر خود اسی شخص نے اقدام وپہل کی ہو کہ نوبت اختلاف ومنازعت اور پھر قتل تک پہونچ گئی، تو ایسا شخص مظلوم نہ ہوگا اور نہ ہی شہید ہوگا۔

یہ لوگ مدافع ومظلوم ہیں

ایسے ہی کوئی شخص ناحق ظلم کر رہا ہے، لیکن اس اقدام کرنے والے کے علاوہ اور کسی سے تعرض جائز نہیں، اور دیگر لوگ اس کے شریک نہ ہونے کی باعث مظلوم ہوں گے۔

مثلاً کامل نے کوئی ظالمانہ حرکت کی جس کے سبب وہ اس سے دفاع ہوا، یا وہ مارا گیا، لیکن کامل کے اقدام وپہل کی وجہ سے اس سے وابستہ لوگ خواہ گھر والے ہوں

، یا اسی کے نظریہ کے حامی ہوں، وہ سب کے سب اقدام کرنے والے نہ ہوگے، لہٰذا ان سے تعرض ناحق ہوگا اور وہ مدافع ومظلوم ہوں گے، تا آنکہ ان سے بھی ظلم یا اقدام ثابت ہو۔ واللہ اعلم

آپسی لڑائیاں

ناگاہ مسلمانوں کی دو جماعتوں گروہوں میں تصادم ہو اور قتل قتال کی نوبت ہوجائے ، اس کی مختلف صورتیں ہیں، دینی مسئلہ ہو، یا کوئی دنیاوی معاملت، دونوں صورتوں میں اگر کسی طرف حق واضح نہ ہوتو یہ لڑائی عصبیت کی ہے، حرام وناجائز ہے۔

عصبیت کی لڑائی

دینی مسئلہ میں جیسے عہدہ شہرت بنیاد اختلاف بن جائے، یا خطاوصواب اور کسی جزئی مسئلہ میں نزاع سے یہ نوبت پہونچ جائے، اسی طرح محض اپنے نظریات کی پیچ میں دوسرے کو زیر کرنا مقصود ہو۔

دنیوی مسئلہ میں دنیوی کوئی عہدہ ومنصب کی جنگ، دوفریقوں کی آپسی پرانی، خاندانی رنجش، یا کوئی تقابلی دوڑ ہو، یا ایک دوسرے سے عناد ورقابت میں کوئی قدم ہو، یا صرف دکھاوے کی لڑائی ہے، یہ سب کی سب لڑائیاں عصبیت والی ہیں، ان میں قاتل ومقتول دونوں غلطی پر ہیں، دونوں ماخوذ ہوں گیں۔

وفی الخانیه :وان وقعت الفتنة بین فریقین باغیین یقتتلان لاجل الدنیاوالملک کان علی الرجل ان یلزم بیته ولایخرج الی احدهماوکذا لووقع القتال بین محلتین للحمیةوالعصبیةلا ینبغی لاحدان یعاون اهل احدی المحلتین۔ (التاتارخانیه ۱۰۲۱۹، ۷/ ۱۶۷)

والحدیث الذی یروی فی ھذا الباب: القاتل والمقتول فی النار محمول علی ما اذا کانا باغیین یقتتلان لاجل الدنیا والمملکۃ وکذا اذا اقتتل اھل المحلۃ للحمیۃ والعصبیۃ، لا ینبغی لاحد ان یعاون اھل احدھما.

(الولوالجیہ ۲/ ۳۰۸)

حق متعین ہو اور مظلوم معلوم ہو

البتہ اگر دینی و دنیاوی ہر دو صورت میں کہیں حق واضح ہو، اور صاحب حق و مظلوم کی طرف سے اقدام بھی نہ ہو، تو جماعت مظلومہ کے مقتول شہید ہوں گے۔

دینی معاملہ میں جیسے حق و باطل کا ٹکراؤ ہو، اور اہل حق کی طرف سے کوئی پہل بھی نہ رہی ہو، اور ایسی صورت میں مخالف کی طرف سے نزاع و قتال کی پیش رفت ہو جائے جس میں کوئی مارا جائے تو مقتول شہید ہوگا، جیسے قادیانی، شیعہ اور وہ فرقے جو بدعات مکفرہ پر ہیں۔

دنیاوی معاملہ میں کسی جماعت کا کوئی حق ہے، جس میں دوسرے ناحق منازعت کرتے ہوں، وہاں حق والے مظلوم ہوں گے، اسی طرح ایک شکل مظلوم کے متعین ہونے کی یہ ہے کہ ایک علاقہ میں، مثلاً فریق الف اور فریق ب میں عصبیت کی لڑائی ہے، اور کوئی ایک فریق، مثلاً الف والے یہاں مغلوب ہیں، اور اس مغلوب فریق کے لوگوں نے- دوسرے علاقہ میں جہاں دونوں فریقوں کے لوگ امن و امان کے ساتھ تھے- فریق ب والوں پر حملہ کر دیا یہاں دوسرے علاقہ میں فریق ب والے یقیناً مظلوم ہیں، کیونکہ یہاں ان کی طرف سے کوئی اقدام نہیں، غرضیکہ کسی ایک کی جانب حق متعین ہو، اور اس کا مظلوم ہونا طے ہو تو اس فریق کے مقتولین شہید ہوں گیں۔

گروہی تصادم میں قاتل متعین ہونا ضروری نہیں

مگر اس صورت میں جب کہ گروہی تصادم ہوا ہو، تو ہر مقتول کے قاتل کا متعین ومشخص ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس کا تصادم میں اپنی جماعت کے دفاع میں قتل ہونا کافی ہے۔

وفي البحر عن المجتبى: اذا التقت سريتان من المسلمين وكل واحدة ترى انهم مشركون فأجلوا عن قتلى من الفريقين، قال محمد: لا دية على احد ولا كفارة لانهم دافعون عن انفسهم؛ ولم يذكر حكم الغسل، ويجب ان يغسل، لان قاتلهم لم يظلمهم اھ. ومفاده انه لو كانت احدى الفريقين ظالمة للاخرى، بان علموا حالهم لا يغسل من قتل من الاخرى، وان جهل قاتله عينا لكونه مدافعا عن نفسه وجماعته. تامل. (ردالمحتار ۳/ ۱۶۰)

باب رابع

بقیہ شرائط اور صورتیں

فصل

نوع ثانی کی آخری شرط

آٹھویں شرط

شہادت کی صورتوں میں سے پچھلی کوئی صورت نہیں، اور قاتل مسلمان یا ذمی ہے تو شہادت کے لئے مزید شرط یہ ہے کہ قتل سے اصالۃً قصاص واجب ہو، مال واجب نہ ہو، یا قتل عمد کے باوجود کچھ بھی واجب نہ ہو، لیکن کسی عارض کی بنا پر قتل عمد کے باوجود مال واجب ہوا تو اس سے شہادت ساقط نہ ہوگی (قصاص صرف قتل عمد میں واجب ہوتا ہے، جس کی تفصیل مقدمہ میں ملاحظہ ہو)۔

هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلما بجارحة اى بما يوجب القصاص ولم يجب بنفس القتل مال بل قصاص حتى لو وجب المال بعارض كالصلح او قتل الاب ابنه لا تسقط الشهادة. (ردالمحتار ۳/ ۱۵۸ تا ۱۶۰)

وجوب قصاص کے شرائط

قصاص کے وجوب کی متعدد شرائط ہیں، بعض قاتل کی، بعض مقتول کی، بعض نفس قتل کی، قاتل کے شرائط:

(۱) قاتل کا معلوم ہونا، اگر قاتل معلوم نہ ہوتو قصاص واجب نہ ہوگا، معلوم ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دو عادل شخصوں نے قاتل کو قتل کرتے دیکھا ہو، یا قاتل نے ظلماً قتل کا اقرار کیا ہو، اس کے علاوہ محض تخمینہ وظن، یا قرائن خواہ کتنے ہی قوی کیوں نہ ہوں شرعاً دلیل علم نہیں، البتہ شہادت کے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قاتل کو نام پتہ کے ساتھ جانتا ہو، بس ہیکل انسانی کی شناخت کافی ہے، اگر قاتل معلوم نہ ہوتو قصاص نہیں، بلکہ قسامۃ اور دیۃ واجب ہوتی، اور مال کے واجب ہوتے شہادت نہیں ہوتی۔

ویغسل من وجد قتیلاً فی مصر فیما یجب فیه الدیة و لم یعلم قاتله.

(الدر المختار ۳/ ۱۶۲)

(۲) قاتل کا مکلف ہونا، یعنی عاقل و بالغ ہونا۔

ویجب القود بقتل کل محقون الدم علی التابید بشرط کون القاتل مکلفا عمداً. (الدر المختار ۱۰/ ۱۶۲)

(۳) مقتول کی شرط یہ ہے کہ مقتول قاتل کے حق میں معصوم الدم ہو۔

ویجب القود بقتل کل محقون الدم بالنظر لقاتله. درر: علی التابید عمداً. (الدر المختار ۱۰/ ۱۶۲)

(۴) قتل کی نوعیت عمد ہو، یا اگر قاتل کے اقرار سے ثابت ہوا ہو تو شرط یہ ہے کہ قتل بالسبب نہ ہو، ورنہ وہاں ارادہ وقصد کے باوصف قصاص کا وجوب نہیں ہوتا۔

و اما الذی یرجع الی نفس القتل فنوع واحد و ھو ان یکون القتل مباشرةً فان کان تسبیباً لا یجب القصاص، لان القتل تسبیبا لایساوی القتل مباشرة، والجزاء قتل بطریق المباشرة. (البدائع ۶/ ۲۸۲)

اور اگر قتل قاتل کے اقرار سے نہیں، بلکہ شہادت شاہدین سے ثابت ہوا تو قتل عمد ہو، قتل شبہ عمد اور قتل خطا وغیرہ میں قصاص نہیں، بلکہ مال واجب ہوتا ہے۔

چنانچہ قصاص کی ان شرطوں میں سے ایک بھی شرط نہ پائی گئی تو قصاص واجب نہ ہوگا، اور نہ ہی مرنے والا شہید ہوگا۔

عارضاً وجوبِ مال معتبر نہیں

جب وجوب قصاص کی شرطیں پائی جائیں (اور سابقہ شرائط شہادت بھی پائی جاتی ہوں) تو مرنے والا شہید ہے، اس کے علاوہ عارضی طور پر مال کا واجب ہونا مضر نہیں، مطلب یہ ہے کہ اصالۃً تو قصاص ہی واجب تھا، لیکن کسی عارض کی بنا پر وہ واجب نہ ہو تو اس سے شہادت ختم نہ ہوگی، مثلاً ایک باپ نے اپنے ہی بیٹے کو ظلماً وعمداً قتل کر دیا، جس سے عام قاعدہ کے مطابق واجب تو قصاص ہی ہوتا ہے، لیکن باپ سے قصاص ممنوع ہے، اس لئے یہاں مال واجب کر دیا گیا، یہاں اگرچہ باپ سے قصاص نہیں بلکہ مال لیا گیا، لیکن مرنے والے پر شہید کے احکام ہوں گے۔

اسی طرح قتل عمد ہونے کے باعث قصاص واجب ہوا تھا لیکن قاتل نے مقتول کے ورثہ پر مال کی پیش کش کی، جسے انہوں نے منظور کر لیا، ایسی صورت میں بھی قصاص ساقط ہو جاتا ہے، اور چونکہ یہاں بھی مال کا وجوب قاتل پر اصالۃً نہیں، بلکہ صلح کے عارض کی بنا پر ہوا ہے، اس لئے مرنے والے سے شہادت ساقط نہ ہوگی۔

ولو وجب القصاص ثم انقلب مالاً بالصلح لا تبطل شهادته لانه لم يتبين انه اخلف بدلاً هو مال و كذاالاب اذا قتل ولده عمدا كان شهيدا لانه اخلف القصاص ثم انقلب مالاً و فائدة الوجوب شهادة المقتول.

(البدائع ۲/ ۶۷، ردالمحتار ۳/ ۱۶۰، کبیری ۵۹۹)

اسی طرح دارالاسلام کے علاوہ کسی دار میں ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو عمداً قتل کر دیا، تو ایسی صورت میں بھی قصاص ہی واجب ہوتا ہے، لیکن استیفائے قصاص کے

لئے امیر المومنین کا وجود شرط ہے، اس لئے وہاں امیر المؤمنین نہ ہونے کے سبب دیت یعنی مال واجب ہوتا ہے، جیسے ہندوستان کہ یہ فی الوقت دارالاسلام نہیں، چنانچہ یہاں اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو عمداً قتل کردے تو قاتل پر دیت واجب ہوگی۔

وکذلک اذا قتل مسلماً لا یوخذ بالقصاص وان کان عمداً لتعذر الاسیفاء الابالمنعة اذاالواحد یقاوم الواحد والمنعة منعدمة ولان کونه فی دارالحرب اورث شبهة فی الوجوب والقصاص لا یجب مع الشبهةویضمن الدیةخطأکان اوعمداوتکون فی ماله لاعلی العاقلة.الخ

(البدائع ۶ / ۱۱۳، ومابعدہ)

اگر قصاص و مال دونوں واجب نہ ہوں

اگر قتل عمد کے باوجود قصاص اور مال یعنی دیت دونوں واجب نہ ہوسکتا، تب بھی مرنے والے پر شہید کے احکام ہوں گے، مثلاً حربیوں نے مسلمانوں کو قید کرلیا، اور بحالت قید واسیری ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو عمداً قتل کردیا، تو قاتل یعنی مسلمان قیدی پر نہ قصاص واجب ہوتا ہے اور نہ ہی دیت، لیکن مرنے والا شہید ہوگا، جیسے امریکی، روسی، چینی ،برمائی لوگوں کے مسلمان قیدی۔

یا جیسے آقا نے اپنے غلام کو قتل کرڈالا تو نہ قصاص ہے نہ دیت، لیکن یہاں بھی مرنے والا غلام شہید ہوگا۔

ولقتیل غیرهم اذالم یجب بنفس القتل مال سواء لم یجب اصلا کقتل الاسیر مثله فی دار الحرب عندابی حنیفةوقتل السیدعبده عندالکل.

(غنیہ المستملی ۵۹۹، ردالمحتار ۳ / ۱۶۰)

فصل

قتل عمد اور وجوب قصاص کی چند صورتیں

مذکورۂ ذیل صورتیں قتل عمد کی ہیں، ان میں قاتل پر قصاص واجب ہوتا ہے، اور شرائط پوری ہوں تو مقتول شہید بھی ہوگا:

بندوق کے ذریعہ کیا گیا قتل عمد ہے۔

قلت وعلى كل فالقتل بالبندقة الرصاص عمد لانها من جنس الحديد و تجرح فيقتص به، ولكن اذا لم تجرح لايقتص به على رواية الطحاوى كما افاده ط. عن الشلبى. (ردالمحتار ۱۰/۱۵۶)

تلوار، چھری، چاقو، چاپڑ، نیزہ، بھالا، خنجر، کلہاڑی، تیر، بیلچہ، آری یا آرہ، بڑا سوجا ان سب اشیاء کے استعمال سے ہونے والا قتل عمد ہوگا۔

واما الذى هو عمد محض فهو ان يقصد القتل بحديد له حد ا وطعن كالسيف والسكين والرمح والاشفار والابرة وما اشبه ذلك اوما يعمل عمل هذه الاشياء فى الجرح والطعن كالنار والزجاج وليطة القصب المروة والرمح الذى لاسنان له ونحو ذلك، وكذلك الألة المتخذة من النحاس.

(البدائع ۶/۲۷۲)

چھوٹی سوئی ایسی جگہ چھبائی جہاں سے خون کی کسی رگ کٹنے کا احتمال ہو، یا زہر کا انجکشن بدن میں ایسی ہی کسی جگہ لگا دیا، جس سے موت ہوگئی تو یہ قتل عمد ہوگا، اور بلا کسی تعیین یوں ہی کسی جگہ لگا یا ہو تو قتل عمد نہ ہوگا۔

وفي الذخيرة :ذكر شمس الائمة السرخسي في ديات الاصل ان في الابرة اذا اصابت المقتل يجب القود.

(التاتارخانیہ ۳۰۳۲۶ ،۱۹:۳۰۳۲۶/ ۵،البزازیہ ۶/ ۳۸۲،الدرالمختار ۱۰/ ۱۵۷)

کسی کو دانت کاٹ لیا جس سے وہ مرگیا، اگر ایسی جگہ کاٹا جہاں خون کی کوئی رگ وغیرہ تھی تو قتل عمد ہوگا، اگر وہاں فقط گوشت ہو کوئی رگ نہ آتی ہو تو عمد نہ ہوگا۔

وان بابرة لاقصاص فيه الا اذا غرزه في المقتل فكذلك لو عضه حتى مات.(البزازیہ ۶/ ۳۸۲،شرح وھبانیہ ۲/ ۲۰۰)

بم سے ہلاک کرنا اور جلا کر مارنا بھی قتل عمد ہے

اسی طرح اگر بم لگا کر کسی ایک یا زائد انسانوں کو قتل کیا، یا ان کو جلا کر ہلاک کیا گیا ہو تو یہ قتل عمد ہے اس صورت میں قصاص ہوتا ہے۔

ونار لانها تشق الجلد وتعمل عمل الذكاة.(الدرالمختار ۱۰/ ۱۵۷)

ان صورتوں میں قصاص نہیں

قاتل پر قصاص واجب ہو تو مرنے والا شہید ہوگا، اور قصاص کے شرائط گذر چکے، مندرجہ صورتوں میں شرائط نہ ہونے باعث قصاص واجب نہیں ہوتا اس لئے ان صورتوں میں مقتول شہید بھی نہیں ہوگا:

مسئلہ: قاتل کا علم نہ ہو، خواہ کتنا ہی قوی قرینہ کیوں نہ ہو جب تک قاتل خود اقرار نہ کرلے، یا کسی نے واردات قتل نہ دیکھی ہو قاتل متعین نہ ہوگا اور نہ اس پر شرعاً قصاص واجب ہوگا۔(الدرالمختار ۳/ ۱۶۲)

مسئلہ: نابالغ، مجنون یا معتوہ کسی کو قتل کردیں تو قصاص نہیں۔

(الدرالمختار ۱۰/ ۱۶۲)

مسئلہ: قتل بالسبب ہوتب بھی قصاص نہیں۔ (البدائع ۶/ ۲۸۲)

مسئلہ: کسی شخص کو تلوار یا کوئی دھار دار آلہ اسلحہ، یا بندوق تانے قتل کے ارادے میں پایا، اور اس سے پہلے کہ وہ کسی کو قتل کرتا کسی نے اسی کو قتل کر دیا، وہ مقتول (جس نے قتل کے ارادہ سے ہتھیار نکالا تھا) شہید نہ ہوگا، اور نہ ہی مارنے والے پر قصاص۔

مسئلہ: اسی طرح کوئی شخص کسی کی جان مال یا آبرو پر بلا ہتھیار حملہ کرے، جس سے بچنے کے لئے مظلوم نے یا اس کے کسی مددگار نے اسے مار ڈالا ہو، یہ مقتول بھی مظلوم نہیں بلکہ ظالم ہے، اس لئے یہ بھی شہید نہ ہوگا۔

ويجب قتل من شهر سيفا على المسلمين يعني في الحال......

ولا يُقتل من شهر سلاحا على رجل ليلاًاو نهاراًفي مصر او غيره او شهر عليه عصا ليلافي مصر او نهار افي غيره فقتله المشهور عليه. قال ابن عابدين: اى او غيره دفعاعنه. زيلعي. وفي الكفاية: ولو ترك المشهور عليه قتله اثم.

(الرد على الدر ۱۰/ ۱۹۰-۱۹۱)

دھوکہ سے ہوئے قتل میں قصاص نہیں

اگر کوئی شخص دھوکہ میں قتل ہوگیا، کہ قاتل قتل تو مثلاً زید کو کرنا چاہتا تھا لیکن سامنے کوئی دوسرا آگیا اور قتل ہوگیا، ایسی صورت میں قاتل پر قصاص نہیں، اور نہ ہی مرنے والا شہید کہلائے گا، دھوکہ سے قتل ہونے کی دو صورتیں ہیں، خطافی الفعل اور خطافی القصد ،وضاحت مقدمہ میں گذر چکی۔

وموجبه اى موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطا وما جرى مجراه الكفارة والدية على العاقلة. (الدرالمختار ۱۰/ ۱۶۱)

باب خامس

شہید کے احکام اور بعض فروع

فصل

شہید کے احکام ومسائل

شہید جس کے شرائط، اقسام اور مواقع سابقہ صفحات میں معلوم ہوئے، اس کے احکام عام مرنے والوں سے ذرا مختلف ہیں، عام مرنے والوں کو تو غسل دیا جاتا ہے، اور ان کے جسم سے کپڑے وغیرہ اتار کر نئے کپڑوں میں کفن دیا جاتا ہے، لیکن شہید کے لئے ان دو باتوں۔ غسل وکفن۔ میں فرق ہوگا۔

شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا

شہید جس میں گذشتہ شرائط مکمل ہوں اس غسل نہیں دیا جائے گا، اسی طرح اس کے جسم پر لگا خون بھی نہیں دھویا جائے گا، اور نہ ہی زخم یا اس کے نشانات پر ہی پانی بہایا جائے گا، بلکہ اسی طرح بلا غسل، نماز پڑھ کر دفنایا جائے گا۔

حکمه ان لا يغسل ويصلى عليه كذا في محيط السرخسي ويدفن بدمه وثيابه كذا في الكافي. (الھندیہ ۱/ ۱۶۸)

بدن پر نجاست ہو تو دھو دی جائے

خون کے علاوہ کوئی اور نجاست بدن پر لگی ہو تو وہ البتہ دھو دی جائے۔

ولو كان في ثوب الشهيد نجاسة تغسل كذا في العتابيه.

(الھندیہ ۱/ ۱۶۸)

شہید کو اپنے کپڑوں میں دفن کیا جائے گا

قتل کے وقت شہید کے جسم پر جو کپڑے ہوں اسے باقی رکھا جائے، شہید کو اپنے کپڑوں ہی میں دفن کیا جاتا ہے۔

والمراد من ثيابه في الحديث ثيابه التي تصلح للتكفين ولايكره التكفين به في غير الشهيد. (الکفایہ علی الھدایہ ۲/ ۱۰۸)

سلے ہوئے کپڑے باقی رکھیں

عام میت کو سلے ہوئے کپڑوں میں کفن نہیں دیا جاتا لیکن قتل کے وقت شہید کے جسم پر جو کپڑے خواہ سلے ہوئے ہوں یا بغیر سلے ان کو نہ اتاریں، بلکہ باقی رکھیں۔

م: ولم يذكر محمد السراويل الا في السير، وكان الشيخ ابو جعفر يقول: الاشبه ان لا ينزع عنه السراويل ووافقه في ذلك كثير من مشائخنا.

(التاتارخانیہ ۳۶۴۶، ۳/ ۲۴)

زائد چیزیں اتار لی جائیں

شہید کے جسم پر کپڑوں کے علاوہ جو لباس اس قسم کا ہو کہ اس میں عام مردوں کو کفن نہیں دیا جاتا، جیسے چمڑے کا جیکٹ، ٹوپی، پٹہ، یا چمڑے ہی کا بنا کوئی ملبوس، یا معدنیات کی بنی کوئی چیز، جیسے ہتھیار وغیرہ یہ سب شہید کے بدن سے اتار لئے جائیں۔

اسی طرح کپڑے کی ٹوپی عمامہ، رومال، موزے، دستانے وغیرہ بھی اتار لئے جائیں، اور وہ چیزیں بھی شہید کے بدن کے کپڑوں سے الگ کر لی جائیں جو اس کے پہنتے

وقت کپڑوں میں، مثلاً جیب میں ہوں۔

عن ابراهيم النخعي قال: اذا مات في المعركة دفن و نزع ما كان من عليه من خف او نعل. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۱۱۱۷، ۷ / ۱۵۲)

سارے کپڑے اتار لینا مکروہ ہے

البتہ اگر شہید کے جسم پر کفن کے لائق کوئی بھی کپڑا نہیں، تو بلکہ سب ایسے ہی ہیں جس میں کفن نہیں دیا جاتا، تو اس میں سے کچھ کو باقی رکھ کر بقیہ نئے کپڑے شامل کر لیں۔

شہید کے جسم سے سارے کپڑے اتار کر صرف نئے کپڑوں میں کفن دینا مکروہ ہے۔

(ويدفن بدمه و ثيابه الا ماليس من الكفن) بيان لحكم أخر و اشار الى انه يكره ان ينزع عنه جميع ثيابه و يجدد الكفن. ذكره الاسبيجابي.

(البحر الرائق ۲ / ۱۹۷، رد المحتار ۳ / ۱۶۱)

کفن مسنون کے لئے کپڑے گھٹا بڑھا لیں

شہید کے کفن کے کپڑے مسنون عدد کے مطابق کر لئے جائیں، کفن میں مرد کے لئے تین، اور عورت کے لئے پانچ کپڑے سنت ہیں، اس لئے شہید پر تعداد مسنون سے زائد کپڑے ہوں تو عدد مسنون تک کم کر لئے جائیں، اور اگر کم ہوں تو عدد مسنون پورا کرنے کے لئے کچھ کپڑے چادریں بڑھالی جائیں، بہر حال مرد وعورت دونوں میں پہنے ہوئے کپڑوں کو علاوہ عدد مسنون پورا کر لیا جائے۔

(ویزاد ان نقص ما علیه من کفن السنة وینقص ان زاد لاجل ان یتم کفن المسنون)فی المحیط:قیل ان قولھم معناہ :یزاد ثوب جدید تکریما وینقص ماشاء وا وان کان علیه ما یبلغ السنة،وھذاانسب بقوله "لیتم کفنه" قھستانی.(ردالمحتار ۳/۱۶۱)

خوشبو عام میت کی طرح لگائی جائے

شہید کے بدن پر عام مرنے والوں کی طرح خوشبو لگائی جائے،یعنی سر اور داڑھی کے بالوں پر عطر لگائیں،اور سجدہ گاہوں پر کافور لگایا جائے۔

ویجعل الحنوط للشھید کالمیت.(البحر الرائق ۲/۱۹۷)

فصل

بعض فروع

پچھلے صفحات میں اجمالاً وہ مواقع ذکر کئے گئے ہیں جن میں شہادت ہوتی ہے، ان ہی میں کی بعض کثیر الوقوع صورتیں ہیں جنہیں علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

دہشت گرد اور خود کش حملوں میں مارے جانے والے

ہندوستان میں، یا اور دوسرے کسی ملک میں جو دہشت گرد، یا خود کش حملے ہوتے ہیں، جن میں عام معصوم انسانوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے، ان میں مارے جانے والے مسلمان سب شہید ہیں، ان صورتوں میں حملہ آوروں کے بارے میں متعدد احتمالات ہیں:

(ا) مسلمان ہوں

(ب) غیر مسلم ہوں

(ج) موجودہ حکومت کے باغی ہوں

(د) نامعلوم ہوں

مسلمانوں کی آبادی کو نشانہ بنایا گیا ہو، تب تو یہ حملہ محاربہ اور قطع طریق کے علاوہ اسلام دشمنی پر مبنی ہے، جس میں دو وجہیں شہادت کی ہوئیں:

(ا) قتل فی المحاربہ (۲) قتل بمدافعت دین۔

اور اگر حملہ آوروں کا مسلمان ہونا واقعۃً طے ہو جائے، تب یہ صرف محاربہ ہے، لہذا مذکورہ تمام صورتوں میں مرنے والے مسلمانوں کو شرائط شہادت کے پائے جاتے شہید کی طرح کفن دفن کیا جائے گا۔

قطع الطریق اربعۃ انواع: (وذکر منھا) واما ان یکون بالقتل لا غیر.
(البدائع ۶/ ۵۱)

غیر مسلم فرقہ وارانہ فسادات میں مارے جانے والے

مسلم وغیر مسلم فسادات میں مارے جانے والے مسلمان مرد ہوں یا عورتیں، سب شہید ہیں، اور فساد کا مرکزی موضوع واضح ہو تو یہ مدافعت دین ہے، ورنہ محاربہ تو بہر حال ہے ہی، اور ان مقتولین کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ آلہ قتل سے قتل کئے جائیں، کسی بھی طرح قتل کو انجام دیا گیا ہو مقتولین مرد وعورتیں سب شہید ہوں گے۔

عَن سَعِیْدِبْنِ زَیدٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَن قُتِلَ دُونَ مَالِہٖ فَھُوَ شَھِیْد، مَن قُتِلَ دُونَ دِینِہٖ فَھُوَ شَھِیْد ،وَمَن قُتِلَ دُونَ دَمِہٖ فَھُوَ شَھِیْد،وَمَنْ قُتِلَ دون اَھْلِہٖ فَھُوَ شَھِیْد. (الترمذی ۱/ ۲۶۱)

وکذا یکون شھیدا لو قتلہ باغ او حربی او قاطع طریق ولو تسببا او بغیر آلۃ جارحۃ فان مقتولھم شھید بای آلۃ قتلوہ. (الدر المختار ۳/ ۱۶۰)

بین المسلمین فساد میں مارے جانے والے

اگر مسلمانوں ہی کی دو جماعتوں یا فرقوں میں تصادم وغارت گری ہو جائے، جس میں قتل کے واقعات پیش آئیں، ایسی صورت میں یہ دیکھا جائے کہ اگر ایک جماعت کا مظلوم ہونا طے ہے، تو اس جماعت کے مقتولین شہید ہوں گے، اور اگر مقتول کا قاتل متعین طور پر معلوم نہ ہو، بشرطیکہ ان کی طرف سے پہل نہ ہوئی ہو، اور اگر پہل انہیں کی طرف سے ہوئی بعد میں پسپا ہو گئے، یا پتہ ہی نہ چل پائے کہ مظلوم کون ہے، تو کوئی بھی شہید نہ ہوگا۔

وفی البحر عن المجتبی.........مفاده انه لو کانت احدی الفریقین ظالمة للاخری، بان علموا حالهم لا یغسل من قتل من الاخری وان جهل قاله عینا ولکونه مدافعا عن نفسه وجماعته.(ردالمحتار ۳/۱۶۰)

کہیں مقتول پر مسلم دشمنی واضح ہو

اگر کہیں حکومت یا اس کے ذیلی اداروں کی طرف سے کسی مسلمان کو خصوصا نشانہ بنا کر قتل کیا گیا ہو، یا اسی طرح مسلم دشمن طاقتوں نے کسی مسلمان کو قتل کیا ہو، اگر مقتول کا مظلوم ہو طے ہو، اور قاتل معلوم ہو، تو مقتول شہید ہے۔

لقوله ﷺ: من قتل دون دینه فهو شهید.(الترمذی ۱/۲۶۱)

قاتل نے کسی کے قتل کا اقرار کرلیا

کوئی مقتول پایا جائے کہ اس کو قتل ہوتے تو کسی نے نہ دیکھا تھا، لیکن کسی انسان نے اس کو قتل کرنے کا اقرار کرلیا کہ میں اس کو قتل کیا تھا، ایسی صورت میں خواہ قتل عمد ہو، یا شبہ عمد ہو، مقتول شہید ہے۔

اقول: مما ینبغی ان یعلم ان القتل ازهاق الروح، والعمدهو القصد، فالموجب للقود ازهاق الروح بالقصد ولادخل فیه لخصوص الاٰلة، الاان القصد امر مبطن لا یعلم الامن جهة الدلیل، فان کان الدلیل هو اقرار القاتل بان اقر بانه قتل بالقصد، فلا خلاف فی ان هٰذا القتل موجب للقود بای اٰلة کانت کما علمت انه لا دخل لخصوص الاٰلة فی وجوب القود وانما الموجب له هو القتل عمداً.(اعلاء السنن ۱۸/۷۶-۷۵)

آبادی سے خارج کوئی لاش ملے

کوئی شخص کسی جگہ مردہ پایا جائے، ایسی صورت میں جائے واردات اور کیفیت مرگ کی متعدد صورتیں ہیں:

الف: آبادی میں کوئی شخص مردہ پایا گیا، اور قاتل کا علم نہ ہو۔

ب: آبادی سے خارج کوئی ایسی جگہ مردہ پایا گیا کہ وہاں سے اگر کوئی قتل کے وقت چیخے چلائے تو آبادی والوں کو آواز پہونچ سکے۔

ج: آبادی سے خارج ایسی جگہ مردہ پایا گیا کہ وہاں سے اگر کوئی چیخے چلائے تو آبادی والوں کو آواز نہ پہونچ سکے لیکن وہ جگہ کسی انسان کی ذاتی ملکیت ہو۔

د: آبادی سے خارج ایسی جگہ مردہ پایا گیا کہ وہاں سے اگر کوئی چیخے چلائے تو آبادی والوں کو آواز نہ پہونچ سکے، اور وہ زمین کسی کی ملکیت نہیں، بلکہ سرکاری زمین ہے۔

ان چاروں صورتوں میں مردے کی دو حالتیں ہوں گی۔

(۱) اس پر آثار قتل نہ ہوں بلکہ طبعی موت یا سماوی وحادثاتی موت ہو۔

ایسی صورت میں کوئی بھی شکل شہادت کی نہ ہوگی، کیوں کہ شہادت کی شرط قتل ہونا نہ پایا گیا۔

(۲) اگر اس پر علامت قتل کی موجود ہو، یا کوئی اثر انسانی فعل کا معلوم ہو (علامات قتل شرائط شہادت میں ملاحظہ ہو)، البتہ یہاں یہ تعمیم ہے کہ قتل عمد ہو یا نہ ہو، صرف مار پیٹ کے اثرات ہوں، یا گلا گھونٹنا معلوم ہو، یا سولی دیا جانا یقینی ہو (خودکشی نہ ہو) تو اوپر کی چار میں سے آخری صورت میں مرنے والا بحکم قطع طریق شہید ہوگا۔

اور پہلی تین صورتوں میں چونکہ قسامت واجب ہوتی ہے، جس میں دیت دینا ہوتی ہے، لہذا ان صورتوں میں مرنے والا شہید نہ ہوگا۔

بخلاف ما اذا قتل فی المفازة بغیر سلاح،لان ذلک یوجب القتل بحکم قطع الطریق لا المال ؛لانه لو استغاث لایلحقه الغوث فلم یصر بترک الاستغاثة معینا علی قتل نفسه.(البدائع ۲/ ۶۶)

(ویغسل من وجد قتیلا فی مصر او قریة فیمایجب فیه الدیة ولو فی بیت المال)فالمراد بالمصر والقریة مایشمل ماقرب منهما؛وخرج مالو وجد فی مفازة لیس بقربها عمران ،فانه لاتجب فیه قسامة ولا دیة ،فلا یغسل لو وجد به اثر قتل کمافی البحرعن المعراج.

(ردالمحتار علی الدرالمختار ۳/ ۱۶۲،مجمع الانہر ۱/ ۲۷۹)

دن دہاڑے لوٹ اور قتل

دن دہاڑے کی لوٹ میں اگر کسی کو آلۂ قتل سے قتل کیا گیا تو مقتول شہید ہے۔

یہاں قاتلوں کو پہچاننا ضروری نہیں، صرف لوٹ کی واردات کا علم کافی ہے، اور اگر قتل میں چیر پھاڑ والا کوئی آلۂ قتل استعمال نہیں ہوا، تو مقتول شہید نہ ہوگا۔

(اوقتله اللصوص فی منزله لیلا ،لو بمثقل، اونهارا)ای بسلاح کما افاده فی الشرح.

(حاشیۃ الطحطاوی ۶۲۵،البدائع ۲/ ۶۶،البحرالرائق ۲/ ۱۹۹)

رات کو چوری اور قتل

رات کو چوروں نے چوری کی اور کسی کو قتل بھی کیا، تو مقتول شہید ہے، اور رات

کے قتل میں خواہ آلۂ قتل کا استعمال ہو یا نہ ہو، کسی بھی طرح قتل انجام دیا گیا ہو، مثلاً گلا دبا کر، یا پھانسی دے کر، یا چھت سے گرا کر، غرض کسی طرح قتل ہو، نیز یہ کہ قاتل چور معلوم ہوں اور پکڑے جائیں یا فرار ہو جائیں، تمام صورتوں میں مقتول شہید ہے۔

اصل ذلک لصاحب البحر حیث قال بعد ما مر عن البدائع: و بھذا یعلم ان من قتله اللصوص فی بیته، و لم یعلم له قاتل معین منھم لعدم وجودھم، فانه لا قسامة و لا دیة علی احد، لانھا لا یجبان الا اذا لم یعلم القاتل، و ھنا قد علم ان قاتله اللصوص وان لم یثبت علیھم لفرارھم، فلیحفظ فان الناس عنه غافلون.

(ردالمحتار علی الدرالمختار ۳/ ۱۶۲، البحرالرائق ۲/ ۱۹۹)

سرخدمت شُرطی وفوجی کی موت

جو مسلمان شرطی (پولیس) اور فوجی ملّی وملکی خدمات، جیسے عوام کے تحفظ، مجرمین کے تعاقب وضبط، ذاتی تحفظ (سیکورٹی)، غیر ملکی و بیرونی حملوں سے مزاحمت وغیرہ میں مارے جاتے ہیں، اگر ان سابقہ صورتوں میں سے کوئی صورت شہادت کی ہو، نیز شرائط مکمل ہوں تو وہ شہید ہوں گے ورنہ نہیں، جیسے کسی مسلمان کی جان، مال وآبرو پر حملے کے وقت اس کی حفاظت میں مارا جائے، قطاع الطریق سے مدبھیڑ ہو، ملکی سطح کی لڑائی میں جب دشمن ملک کا ظلم متیقن ہو، یا بے گناہ قتل آلۂ قتل سے قتل کر دیا گیا تو وہ شہید ہوگا ورنہ نہیں۔

ھو کل مکلف مسلم طاھر قتل ظلما بجارحة ای بما یوجب القصاص و لم یجب بنفس القتل مال بل قصاص. (ردالمحتار ۳/ ۱۵۸تا۱۶۰)

قتله اھل البغی او قطاع الطریق او اھل الحرب بسلاح او غیرہ.

(فتاوی قاضیخان ۱/ ۱۸۶، البحرالرائق ۲/ ۱۹۶، حاشیۃ الطحطاوی ۳۴۳، الدرالمختار ۳/ ۱۶۰)

ملکی لڑائیوں میں عام شہریوں کا قتل

ملکی سطح کی لڑائیوں میں ہلاک کئے جانے والے عام شہری بہر حال شہید ہیں، یعنی ملکی لڑائی خواہ کسی غرض سے لڑی جارہی ہوں حق یا ناحق، اس کی ذمہ داری حکومت اور فوج پر ہے اور جنگی اصول کے مطابق عوام چونکہ جنگ میں شریک نہیں ہوتے اس لئے وہ معصوم و بے گناہ اور کم از کم مدافع ہیں، اور ان پر حملہ آور یقیناً مفسد اور ظالم ہیں۔

هو كل مكلف مسلم طاهر قتل ظلما بجارحة اى بما يوجب القصاص ولم يجب بنفس القتل مال بل قصاص. (ردالمحتار ۳/ ۱۵۸ تا ۱۶۰)

قتله اهل البغى او قطاع الطريق او اهل الحرب بسلاح او غيره.

(فتاوی قاضیخان ۱/ ۱۸۶، البحر الرائق ۲/ ۱۹۶، حاشیۃ الطحطاوی ۳۴۳، الدرالمختار ۳/ ۱۶۰)

اگر کسی کو مبتلائے زنا یا چوری دیکھ کر قتل کر دیا

اگر کسی کو برضا مبتلائے زنا دیکھا، یا چوری کرتے دیکھا، اور دیکھنے والے نے اسے اسی حال (ابتلاء) میں قتل کر دیا تو مقتول مباح الدم ہے، وہ شہید نہیں (یعنی بظاہر شرائط شہادت کے معلوم ہوں، لیکن قتل کا باعث یہ ہو)۔

وفى مختصر المحيط للخبازى :رجل استقبله اللصوص ومعه مال لايساوى عشرة حل له ان يقاتلهم. عن ابى يوسفؒ ان كان اقل من عشرة قاتل عليه ولايقتله،وإن كان عشرة أوأكثر يقتله. قال :وكذا لووجده مع امراته اوجاريته اومحرم منه يزنى بها بالقهر والغلبة عليها،له أن يقتله وإن كانت مطاوعة فى الزنا قتلَهما جميعا.ولم يقيده بالزجر الاحصان ولا بالصياح...ولم

يذكر الاحصان والزجر بعضهم :وليس بحد قتل ذافتدبروا، متعرضا للذكر ماااشار إليه من كون القتل من باب الأمر بالمعروف لابالحد.وقد رايت في كتاب الحدودمن البزازيه ذكر الهندواني:وجدمع امراته رجلاإن كان ينزجر بالصياح وبمادون السلاح لايحل قتله،وإن كان لاينزجر الا بالقتل حل قتله، وان طاوعت حل قتلهاايضاً،وهذانص على ان التعزيريليه غير المحتسب ايضاً.الخ (شرح وھبانیہ ۲/ ۱۷۵)

ثم رايت في جنايات الحاوي الزاهدي مايويده ايضاحيث قال:رجل راى رجلامع امراةيزني بهااو يقبلها او يضمها الى بنفسه وهي مطاوعةفقتله او قتلمهالاضمان عليه.(ردالمحتار،٦:١٠٨ومابعده)

مقتول اگر ظالم تھا

اور وہ صورتیں جن میں خود مرنے والا ظالم ہو، جیسے کسی کے قتل، یا آبرو پر اقدام کرنے والے کو خود مظلوم یا کسی اور نے مار ڈالا، تو مقتول مظلوم نہیں، البتہ اگر بلا قتل دونوں بچ گئے اور بعد میں اس اقدام کرنے والے کو قتل کیا تو وہ مظلوم ہوگا۔

اسی طرح جن میں دفاع میں قتل ہونے والا شہید ہوتا ہے، ان میں بھی اگر مظلوم نے بیچ بچاؤ میں ظالم کو قتل کردیا، تو وہ ظالم مباح الدم تھا، قاتل مدافع پر آخرت میں کوئی مواخذہ نہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ﷺ اَنَّهُ قَالَ :جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ:يَارَسُولَ اللّٰہِ!اَرَأَيْتَ اِنْ جَاءَ رَجُلٌ يُرِيْدُ اَخْذَ مَالِي؟فَقَالَ لَا تُعْطِهِ،قَالَ:فَاِنْ قَاتَلَنِي؟قَالَ:قَاتِلْهُ

،قَالَ :اَرَأَيتَ اِنْ قَتَلَنِىْ ؟ قَالَ :فَاَنْتَ شَهِيْدٌ ،قَالَ: اَرَأَيتَ اِنْ قَتَلْتُهُ ؟،قَال :هُوَ فِي النَّارِ.(مسلم شریف ۱/۸۱)

ويجب قتل من شهر سيفا على المسلمين يعني في الحال كما نص عليه ابن الكمال. الخ (الدرالمختار ۱۰/۱۹۰)

تنبیہ

یہ اس صورت حال کا بیان ہے جبکہ اتفاقاً یا مجبوراً ظالم کے قتل کا واقعہ پیش آگیا ہو لیکن اسی صورت حال میں کوشش یہ ہو کہ خود کو بھی بچالے، اور اس کو بھی قتل نہ کرے کیونکہ جب اس کے پاس ظالم کے ظلم کا ثبوت نہ ہوگا تو قانون دنیا، بلکہ مسلمان قاضی بھی مارنے والے سے ثبوت کا مطالبہ کرے گا۔

وانما يمتنع لانه لا يصدق في ذلك بانه زنى. (شرح وہبانیہ ۲/۱۷۶)

اگر شرائط شہادت کے پائے جانے میں تردد ہو

شہادت کی مذکورہ صورتوں کے تحقق پر پورا اطمینان کرلیا جائے پھر شہید میں شرائط ِشہادت کا وجود اور ان کا ثبوت خوب اچھی طرح، جو عموماً اس کے حالات کے واقفین، مثلاً اعزہ وغیرہ کے بیانات پر موقوف ہے، سے کرلیا جائے، تب اس کے شہید ہونے کا حکم لگائیں، اس میں کسی بھی طرح کا تساہل نہ برتیں، کیونکہ میت کے لئے اصل حکم یہی ہے کہ اسے غسل وکفن دیا جائے، جو میت کے اکرام میں کیا جاتا ہے، شہید کو مظلومیت کے عارض کی بنا پر غسل وکفن نہیں دیا جاتا ہے، تاکہ موت کے وقت کی مظلومیت موت کے بعد تک دیکھی جاسکے، حتی کے قیامت میں بھی وہ اسی حالت مظلومی اور حالت قتل میں اُٹھایا

جائے گا، اس لئے شک وتردد کے موقع پر اصل کے مطابق اسے غسل وکفن دینا ہی احتیاط ہے۔

لان سقوطه فی حق الشهید المذکور علی خلاف القیا س فلابد من تحقق وجود الوصف الذی سقط لاجله الغسل فیه وعند الاحتمال یعمل بالاصل. (کبیری ۶۰۰)

وَصَلِّ عَلٰی المُستشهِدینَ بدونہٖ★وذَینِ لنا فی المسلمین فقرروا ،ان الغسل والصلوۃ عام لسائر المسلمین والیه اشار بعجز البیت وذلک لما فیه من اکرامهم وطلب المغفرۃ. (شرح وہبانیہ ۱:۷۳)

هذا آخر ما أردنا ایراده فی هذا الکتاب ،وکان مدة جمعه قریبا من خمسة أشهر ،فالحمد لله الذی باسمه الأعلیٰ دامت الأرض والسمٰوات ،وبیده الیمنی کنوز الخیرات ،وبنعمته الواسعة تتم المنایا الصلحٰت ،والصلوٰۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین محمد الذی بعث رحمةً للعٰلمین ، وعلی أله وأصحابه ومن تبعهم باحسان إلی یوم الدین ،واستغفر الله واتوب إلیه ،والحمد لله علی کل حال.

مراجع ومصادر

القرآن الکریم-مترجم: شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ-مدرسہ معاذ بن جبل علی گڑھ۔

معارف القرآن-مفتی محمد شفیع صاحبؒ-یاسین بکڈپو دہلی۔

صحیح بخاری-امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ (م۲۵۶)-تحقیق اساتذۃ جامعۃ رشید کراچی-الطاف اینڈ سنز کراچی پاکستان، ط۔اولی ۲۰۰۸ء۔

صحیح مسلم-امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیریؒ (م۲۶۱)-دیوبند۔

جامع ترمذی-امام ابوعیسی محمد بن عیسی بن سورۃ بن موسی الترمذیؒ (م۲۷۸)-دیوبند۔

المصنف-امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہؒ (م۲۳۵)-تحقیق شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ-ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ط ثانیہ ۲۰۰۷ء۔

اعلاء السنن-علامہ ظفر احمد عثمانیؒ (م۱۳۹۴ھ)-ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ط ثالثۃ ۱۴۱۵ھ۔

شرح السنۃ-محی السنۃ ابومحمد حسین بن مسعود الفراء البغویؒ (م۵۱۶)-تحقیق شعیب الارناؤوط-المکتب الاسلامی دمشق ط ثانیہ ۱۴۰۳۔

عمدۃ القاری-بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینیؒ (م۸۵۵)-داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان۔

حاشیۃ السندی علی البخاری-امام ابوالحسن السندیؒ (م۱۱۳۸)-الطاف اینڈ سنز کراچی پاکستان، ط۔اولی ۲۰۰۸ء۔

مظاہر حق-علامہ نواب قطب الدین دہلویؒ (م۱۲۸۹)-ادارۂ اسلامیات دیوبند۔

اصول السرخسی (المحرر فی اصول الفقہ)-امام ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسیؒ (م۴۵۰)-صلاح بن محمد عویضہ-مکتبہ تھانوی دیوبند۔ط ۲۰۰۷ء۔

بدائع الصنائع-ملک العلماء علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانیؒ (م۵۸۲)-تحقیق ومراجعۃ محمد عدنان بن یاسین درویش-مکتبہ زکریا دیوبند، ہند۔

البحر الرائق-ابن نجیم، علامہ زین الدین بن ابراھیم المصریؒ-ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

تفصیل عقد الفرائد (شرح وہبانیہ)-ابن الشحنہ سری الدین ابوالبرکات محمد بن محمد القاہریؒ (م۹۲۱)-مراجعہ ودراسہ الشیخ ارشد المدنی حفظہ اللہ-الوقف المدنی الخیری دیوبند۔

تقریرات الرافعی-علامہ عبدالقادر رافعیؒ (م۱۳۲۳ھ)-زکریا بکڈپو دیوبند۔

حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی - علامہ احمد بن محمود الطحطاوی ؒ (م ۱۲۳۱) - ضبط وتصحیح محمد عبد العزیز الخالدی - المکتبۃ الاشرفیہ دیوبند۔

رد المحتار علی الدر المختار - الدر: علامہ محمد بن علی بن محمد المعروف بالعلاء الحصکفی ؒ (م ۱۰۸۸)، الرد: محمد امین الشہیر با بن عابدین ؒ (م ۱۲۵۲) - مکتبہ زکریا دیوبند۔

شرح مختصر الطحاوی - امام ابو بکر جصاص رازی (م ۳۷۰ھ) - مراجعہ وتصحیح سائد بکداش - مکتبہ تھانوی دیوبند۔

غنیۃ المستملی (حلبی کبیری) - الشیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی الحنفی ؒ (م ۹۵۶) - المکتبۃ الاشرفیہ دیوبند۔

الفتاوی البزازیہ بھامش الھندیہ - علامہ حافظ الدین محمد بن محمد المعروف با بن بزاز ؒ (م ۸۲۷) - مکتبہ زکریا دیوبند۔

الفتاوی التاتارخانیہ - امام فرید الدین عالم بن العلاء الاندرپتی الھندی ؒ (م ۷۸۶) - مراجعہ مفتی شبیر احمد قاسمی - مکتبہ زکریا دیوبند۔

الفتاوی الخانیہ (فتاوی قاضی خان) - علامہ فخر الدین حسن بن منصور المعروف بقاضی خاں ؒ (م ۵۹۲) - مکتبہ زکریا دیوبند۔

الفتاوی الھندیہ (عالمگیریہ) - جماعت علماء بعہد شاہ اورنگ زیب ؒ - مکتبہ زکریا دیوبند ہند۔

الفتاوی الولوالجیہ - امام ابو الفتح ظہیر الدین عبد الرشید بن ابوحنیفہ ؒ (م ۵۴۰) - ت مقداد بن موسی فریوی - مکتبہ دار الایمان سہارنپور۔

فتح القدیر - امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف با بن ہمام ؒ (م ۶۸۱) - مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان۔

مجموعۃ الفتاوی - شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ ؒ (م ۷۲۸ھ) - مکتبہ ابن تیمیہ۔

مجمع الانہر - الشیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلبی الحنفی ؒ (م ۹۵۶) - مکتبہ فقیہ الامت دیوبند۔

الموسوعۃ الفقہیہ - جمع من العلماء - وزارۃ الشئون الدینیہ کویت - ط ثانیہ ۱۴۱۲ھ۔

لسان العرب - علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی المصری ؒ - دار صادر بیروت۔

مفردات غریب القرآن - علامہ راغب اصفہانی (م ۴۲۰) - ت نجیب الماجدی - مکتبہ احسان لکھنؤ۔

احکام میت - ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفی ؒ - ت مفتی عصمت اللہ ومفتی معاذ خالد - مکتبہ یادگار شیخ سہارنپور۔

امداد الفتاویٰ - حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ (۱۳۶۲ھ) - ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند ط ثانیہ ۱۹۸۴۔

فتاوی عثمانی - مفتی محمد تقی صاحب عثمانی - ادارہ معارف القران کراچی پاکستان۔

کتاب المسائل - مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری - المرکز العلمی للنشر والبلاغ مرادآباد۔